ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

جولائی ۱۹۸۶ء

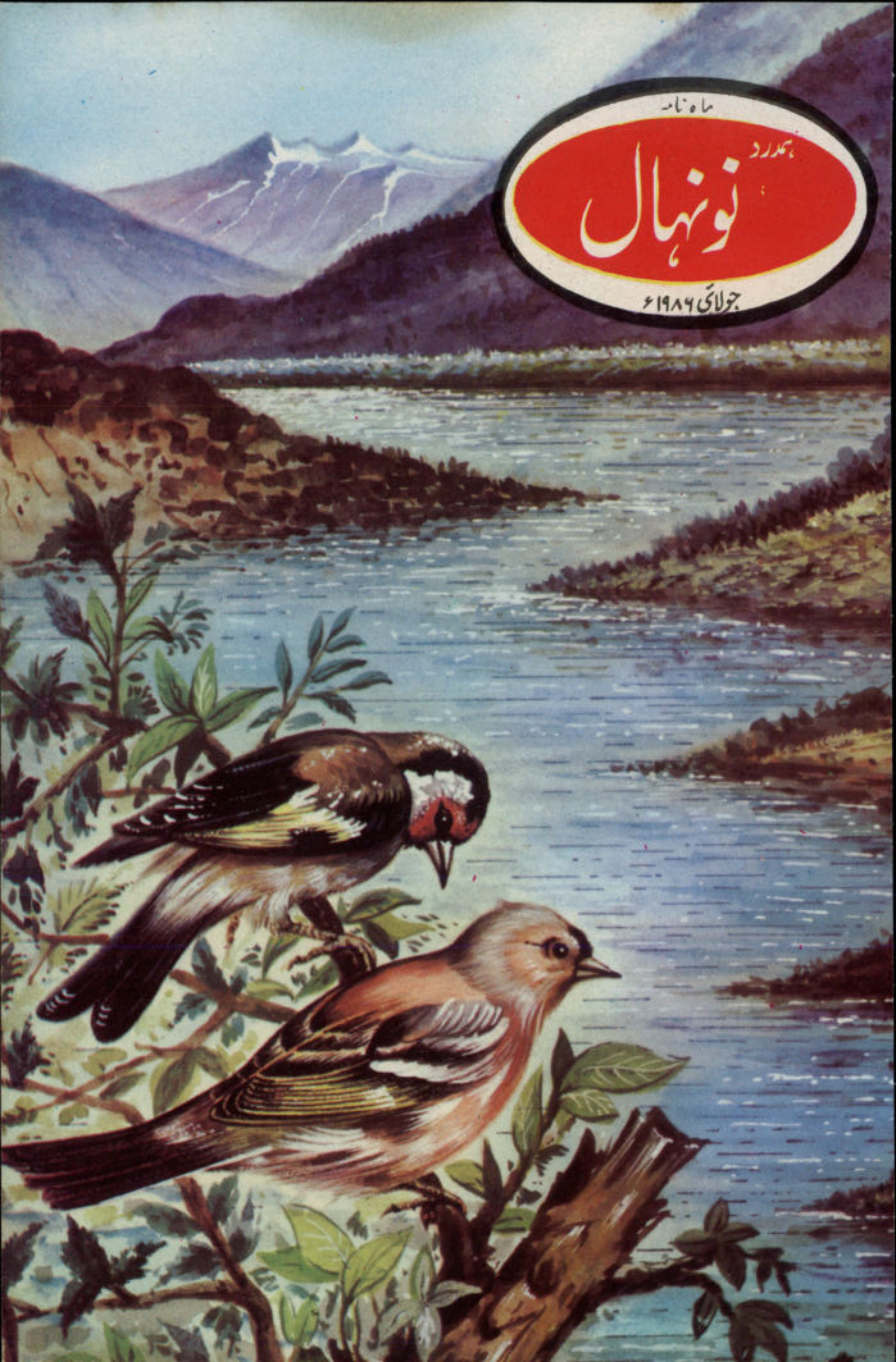

Everybody likes DANDY Fruit Gums
DANDY
The bubble gums
with 3 fruit flavours
Lemon
Strawberry
Orange
DANDY
Interflow

UNION INTRODUCES ANOTHER QUALITY PRODUCT

UNION

JACK N JILL

TOFFEES

REAL CHEWY CANDY

UNION The Biggest name in wholesome taste

Midas Khi

mayfair
Milk Bon Bon
مے فیئر
مِلک بون بون
دُودھ اور گلوکوز سے تیار شدہ
توانائی سے بھرپور
Milk Bon Bon
Only The Best
mayfair
sweets.toffees.bubble
ایشین فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی

Adarts

ٹیلے فون : 616001 سے 616005

ہمدرد نونہال

رُکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی

مجلس ادارت

صدر مجلس ـــ حکیم محمد سعید

مُدیر اعلا ـــ مسعود احمد برکاتی

مُدیرۂ اعزازی ـــ سعدیہ راشد

ذی قعدہ ـــ ۱۴۰۶ ہجری

جولائی ـــ ۱۹۸۶ عیسوی

جلد ـــ ۳۴

شمارہ ـــ ۷

*

قیمت فی شمارہ ـــ ۴ رپے

سالانہ ـــ ۴۵ رپے

سالانہ (رجسٹری سے) ـــ ۸۱ رپے

*

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد ـــ کراچی ۱۸

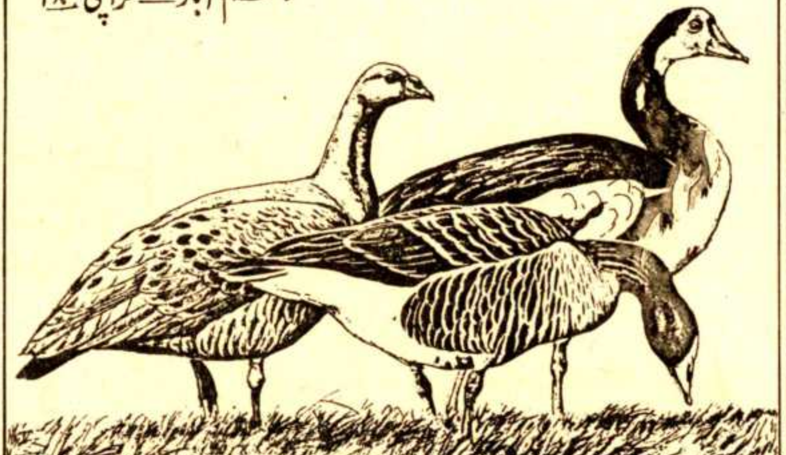

ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا۔

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

عنوان	مصنف	صفحہ
جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۵
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۶
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۷
لفظوں کا جگ سا	جناب شان الحق حقی	۹
اسمٰعیل میرٹھی (نظم)	جناب قمر ہاشمی	۱۰
خط کے جواب میں	محترمہ ناہید پروین	۱۱
زندگی کے رنگ	جناب محمد اشرف نوشاہی	۱۵
آسمانی بجلی سے	ادارہ	۱۷
چاند تارے (نظم)	جناب شفیق الرحمٰن شفق	۱۹
کارٹون	جناب مشتاق	۲۰
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۲۱
اخبارِ نونہال	ننھے صحافی	۲۴
جھوٹا گواہ	جناب علی اسد	۲۶
بارش میں بھوت	محترمہ سیماں	۲۸
چور پکڑنے کی مشین	جناب معراج	۳۱
چندا ماموں (نظم)	جناب سمیع الوری	۳۸
ٹھنگے میاں	جناب سید غلام جیلانی	۳۹
ہمدرد انسائکلوپیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۵۲
معلومات عامہ ۲۴۳	ادارہ	۵۶
اُڑنے والا گھوڑا	جناب مناظر صدیقی	۵۷
تحفے	باذوق نونہال	۶۵
نونہال مصوّر	ننھے آرٹسٹ	۶۹
پاکستان میں ورلڈ کپ	جناب ساجد علی ساجد	۷۱
صحت مند نونہال	ادارہ	۷۵

- مسکراتے رہو، ننھے مزاح نگار ۷۷ • اس شمارے کے مشکل الفاظ : ادارہ ۸۰ • منتخب کہانیاں : جب آنکھ کھلی ، محترمہ مشہودہ حق ۸۱
- سچی خوشی ، جناب صبیح الدین خاں ۸۲ • نونہال ادیب : ننھے لکھنے والے ۸۵ • ننھے قارئین لکھتے ہیں ، نونہال پڑھنے والے ۱۰۱

معلومات عامہ ۲۴۱ کے جوابات ، ادارہ ۱۰۷

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمے دار نہ ہوگا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپواکر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

ہر شخص اپنی بھلائی کے لیے سوچتا ہے۔ دنیا میں ایسا کون انسان ہے جو اپنی بہتری اور ترقی نہ چاہتا ہو۔ اسی کو خواہش کہتے ہیں۔ ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ آگے بڑھے، اس کو سکون اور سہولتیں حاصل ہوں، لیکن پھر بھی ہر انسان یکساں نہیں ہوتا۔ بعض لوگ صرف خواہش رکھتے ہیں، عمل نہیں کرتے۔ بعض لوگ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے عمل اور کوشش بھی کرتے ہیں اور یہی لوگ صحیح ہیں۔

خواہش اگر اچھی ہو اور سچی ہو تو پوری ہو جاتی ہے۔ سچی خواہش سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی کام کو دل سے کرنا چاہے۔ جو کام انسان دل سے کرنا چاہتا ہے اس کے لیے کوشش بھی کرتا ہے۔ خواہش عمل اور جدوجہد کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ تم میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہو، لیکن اچھے نمبروں سے صرف وہی نونہال کام یاب ہوتے ہیں جو دل لگا کر پڑھتے ہیں اور سبق یاد کرتے ہیں۔ جو نونہال پڑھنے میں محنت نہیں کرتے وہ امتحان میں کام یاب نہیں ہوتے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محض خواہش سے کام نہیں چلتا۔ اگر صرف خواہش سے کام یابی ہو جاتی تو اب تک جانے کتنے افیونی بادشاہ بن چکے ہوتے۔

بہ قول شیکسپیئر کے اگر صرف خواہش ہی گھوڑا بن سکتی تو ہر شخص گھڑ سوار ہوتا۔

جس چیز کی خواہش ہو اس کو حاصل کرنے کے لیے محنت کرو۔ عمل کے بغیر خواہش خوشی نہیں رنج دیتی ہے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

لو بھئی عید بھی گزر گئی ۔ وقت کیسی تیزی سے گزرتا ہے ۔ یہ کسی کے روکے نہیں رُکتا، کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ وقت کو کسی سے محبّت نہیں ہے ۔ ہاں جو وقت سے محبّت کرتا ہے وہ اچھا رہتا ہے ۔ وقت سے محبّت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ضائع نہ کرے، کام میں لائے ۔ جو وقت کام میں گزرا وہ گویا محفوظ ہو گیا اور جو وقت بے کار گزرا وہ ہم نے کھو دیا۔ ہم نقصان میں رہے ۔

اس بار عید کارڈ بہت زیادہ تعداد میں ملے ۔ نونہالوں نے عید کی خوشیوں میں ہمیں یاد رکھا۔ اللہ تعالیٰ انھیں خوش رکھے ۔ اگرچہ میرا دل چاہتا ہے کہ نونہالوں کو عید کارڈ میں پیسے صَرف کرنے سے منع کروں، لیکن پھر سوچتا ہوں کہ نونہال یہ پیسے اپنی خوشی کے لیے صَرف کرتے ہیں ۔ وہ کسی کو عید کارڈ بھیج کر اپنی محبّت، اپنے خلوص کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو اس سے ان کو روکنا شاید زیادتی ہو ۔ اگر انسان اپنی جائز خوشی کے لیے تھوڑا بہت خرچ کرلے تو اس میں کیا حرج ہے ۔ عید کارڈوں کے سلسلے میں دو تین باتیں توجہ کے قابل ہیں ۔ لفافہ بند کرتے وقت خیال رکھنا چاہیے کہ گوند کارڈ یا خط پر نہ لگے اور کارڈ خراب نہ ہو ۔ کارڈ پر صرف دستخط کرنے کے بجائے اپنا نام صاف اور پورا لکھنا چاہیے اور پتا بھی، تاکہ جواب دیا جاسکے ۔

بعض لوگ انگریزی میں عید کارڈ بھیجتے ہیں ۔ یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ عید انگریزی میں کیوں مناتے ہیں ۔ اپنی زبان اردو، پنجابی، سندھی، پشتو یا بلوچی میں کیوں نہیں لکھتے ۔

خاص نمبر ــــ ہاں خاص نمبر پھر آنے والا ہے اور ہم پھر اس کو بہت اچھا، بہت دل چسپ اور خوب صورت بنانے کے لیے دماغ لڑا رہے ہیں ۔ دوستو ! ہمارا ساتھ دو ۔ جلدی سے بتاؤ ، خاص نمبر میں کیا کیا ہو، مگر بھئی ایسی تجویزیں نہ دینا جو ہمارے بس کی نہ ہوں اور نونہال یہ تقاضہ بھی نہ کریں کہ ہماری تحریریں ضرور شامل کریں ۔ جمعہ ۲۷ رمضان ۱۴۰۶ ہجری (۶ - جون ۱۹۸۶ء) کو میری امّی جان مجھے چھوڑ کر چلی گئیں ۔ اُف ! میرے لیے دنیا میں پیار کی چھاؤں نہیں رہی ۔ ایک فولادی دیوار گر گئی، جس کے سہارے میں کھڑا تھا ۔ جس کے پاؤں کے نیچے میری جنّت تھی وہ ہستی جنت کو سدھاری ...... قلم اس کے آگے نہیں چلتا ۔

مسعود احمد برکاتی

خیال کے پھول

■ **حضورِ اکرمؐ** — کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ دل آزاری ہے۔ مرسلہ: محمد عاطف ایاز، لطیف آباد

■ **حضرت علیؓ** — جب بُرا آدمی اپنی بُرائی نہیں چھوڑتا تو اچھا اپنی اچھائی کیوں چھوڑ دے۔

مرسلہ: سید حسن اصغر، میر پور خاص

■ **حضرت سلیمانؑ** — خوش مزاج آدمی ٹوٹے پھوٹے دل کی دوا ہے۔ مرسلہ: عاصم منور، ہارون آباد

■ **بطلیموس** — دردِ سر کا علاج تاج سے نہیں ہوتا۔

■ **فیثاغورس** — دوستی میں شبہ زہر ہے۔

مرسلہ: محمد عنصر، گرین ٹاؤن

■ **امام ابوحنیفہؒ** — دوسروں کو خوش رکھ کر جو خوشی حاصل ہوتی ہے اُس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی خوشی نہیں ہے۔

■ **حضرت مجدد الف ثانیؒ** — دوست کے ناراض ہونے کے خیال سے حق بات نہ کہنا حقِ دوستی پورا کرنا نہیں ہے۔ مرسلہ: سید فرید علی ہاشمی، سنجھورو

■ **خواجہ نظام الدینؒ** — اگر خود بُرا ہے، لیکن دوسروں کی بُرائی نہیں کرتا تو یہ بھی نیکی ہے۔ مرسلہ: عظمیٰ فاطمہ، روہڑی

■ **سقراط** — عقل مند کو جاہل سے اس طرح گفت گو کرنی چاہیے جس طرح طبیب مریض سے گفت گو کرتا ہے۔ مرسلہ: محمد صابر زاہد، نئی کراچی

■ **شیخ سعدی** — بخیل آدمی کی دولت اُس وقت زمین سے باہر آتی ہے جب وہ زمین کے نیچے چلا جاتا ہے۔

مرسلہ: نازو کنول، کراچی

■ **مولانا ابوالکلام آزاد** — غلامی کے چاہے کیسے ہی حسین نام کیوں نہ رکھے جائیں غلامی بہرحال غلامی ہے۔

مرسلہ: محمد اشرف بلوچ، سندھ یونی ورسٹی

■ **گوتم بدھ** — لوگوں کے دلوں میں خوشی کے کنول کھلانا، ہزاروں زیارتوں سے افضل ہے۔

■ **گاندھی جی** — نفرت جرم سے کرو مجرم سے نہیں۔ مرسلہ: فرید عبدالغفار، کراچی

■ **بقراط** — عقل مند وہ ہے جو ہر کام میں میانہ روی اختیار کرے۔ مرسلہ: عدنان نور، کراچی

■ **حکیم محمد سعید** — غریب سے غریب آدمی بھی بڑا بن سکتا ہے۔ بڑائی کے لیے دولت کی ضرورت نہیں، حکومت کی ضرورت نہیں، بس ایک چیز کی ضرورت ہے اور وہ ہے اچھے اخلاق۔ مرسلہ: سید عزادار رضا علمدار، نواب شاہ

تمام طلباء و طالبات کی دلپسند

نوٹ بُکس

پی پی پی برانڈ

ملک بھر کے یوٹیلٹی اور کینٹین اسٹورز اور اسٹیشنری کی
دوکانوں میں مقررّہ داموں پر دستیاب ہیں۔

پاکستان پیپر پروڈکٹس لمیٹڈ
پوسٹ بکس نمبر ۷۴۳۸ - کراچی ۳

786/PPP-16/84

لفظوں کا جگ سا

شان الحق حقی

آپ نے ایسے معمّے ضرور دیکھے اور حل کیے ہوں گے جن میں کسی تصویر کے ٹکڑے کر کے اُن کو گڈمڈ کر دیا جاتا ہے اور پھر انھیں نئے سرے سے جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسے انگریزی میں JIGSAW PUZZLE (جگ سا پزل) کہتے ہیں۔

آج ہم آپ کو ایک نئی قسم کا "جگ سا" پیش کر رہے ہیں۔ اسے تصویر کے پرزوں سے نہیں بلکہ لفظوں کے ٹکڑوں سے ترتیب دیا گیا ہے، یعنی ایک مشہور شعر کے ٹکڑے گڈمڈ کر دیے گئے ہیں۔ اب انھیں ملا کر شعر معلوم کیجیے۔

یہ ٹکڑے آپ کو عجیب اور نامانوس معلوم ہوں گے، لیکن ہیں بہرحال اپنے ہی جانے بوجھے لفظوں کے اجزا۔ انھیں صحیح ترتیب سے ملائیں تو ایک مشہور شعر بن جائے گا:-

گدرا ، ہنگو ، بالکا ، پھرکا ، ہیجا

تر ، دہ ، تا ، ما ، آں ، باں ، راق

یا ہو ، آنہ ، دو ، ہما ، پے ، را

لفظوں کے ٹکڑوں کو جوڑنے کی مثال یوں سمجھیے کہ جیسے:-

ری کا ، ہائے ، ام ، ست ، ریا

کو صحیح طور سے ترتیب دیں تو "ریاست ہائے امریکا" بن جاتا ہے۔ چوں کہ آپ اس قسم کا معمّا پہلی بار حل کر رہے ہیں، اس لیے ہم نے آپ کی آسانی کے لیے ایک ٹکڑے کو ذرا جلی قلم سے لکھ دیا ہے، تاکہ آپ یہیں سے شعر کا سرا پکڑیں اور پھر اُس کے آخری ٹکڑے تک جوڑتے چلے جائیں۔ شعر کا آخری ٹکڑا اتفاق سے وہی ہے جو اوپر دی ہوئی ترتیب میں بھی آخری ٹکڑا ہے۔ اس طرح پہلا اور آخری دونوں سرے آپ کے ہاتھ آ گئے۔ یہ ایک مشہور شعر ہے جس میں شاعر کے ساتھ اس کی کتاب کا نام بھی آتا ہے۔ پہلے خود کوشش کیجیے، پھر شعر صفحہ ۳۷ پر دیکھ لیجیے۔

مولوی اسمٰعیل میرٹھی

قمر ہاشمی

اردو زباں کے سعدی
ہر مدرسے کے ساتھی

ہر نظم اُن کی ازبر — پڑھتے تھے بچّے فر فر
اب تک ہیں شعر کچھ یاد — کس پائے کے تھے استاد
مشرق کی سادگی تھے — حالی کے دوست بھی تھے
سیّد کی رہ نُمائی — ہم سب کے کام آئی
بچّوں کا ذہن سمجھا — پھر مولوی نے لکھّا
استادِ معنوی تھے — ذہنوں کی روشنی تھے
عقل و خِرد کے رہ بر — لفظوں کے تھے ہُنر ور
آساں زبان لکھتے — عظمت کو شان لکھتے
"پن چکّی" "گائے" "تارے" — تھے ذہن کے اشارے
مغرب کی پیروی کی — آزاد نظم لکھّی
تہذیبِ نو کی وہ جاں — نسلوں پہ ان کا احساں

خط کے جواب میں

ناہید پروین

نازش کے ہاتھ میں ایک پرانی تصویر تھی، جو اس کی چوتھی سال گرہ کی تھی۔ تصویر میں وہ اور اس کا بڑا بھائی آفاق اور اس کے امّی ابّو ساتھ تھے اور وہ بڑی خوشی خوشی کیک کاٹ رہی تھی۔ نازش اپنے ماضی کی حسین یادوں میں ایسی کھوئی ہوئی تھی کہ اُسے اپنے آس پاس اور وقت کا کچھ ہوش نہ تھا۔

آفاق اپنی بہن نازش کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا جب نازش کے کمرے میں پہنچا تو اسے احساس تک نہ ہوا اور جب آفاق نے اُسے پکارا تو وہ ایسے چونکی جیسے اس کا پیارا سا سپنا ٹوٹ گیا ہو۔ "ہم آپ کو پورے گھر میں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اور کتنی ہی آوازیں دیں، مگر آپ تو بہری ہو

گئی ہیں۔ اب جلد از جلد ڈاکٹر سے رابطہ قائم کرنا پڑے گا کہ ہماری پیاری بہن کے کانوں کے پردوں میں خلل واقع ہو گیا ہے۔"

نازش خوش ہو کر بولی:

"اچھا تقریر ختم، یہ بتائیے ہمارے بھیّا کو اتنی بے تابی سے کیوں ہماری یاد آئی؟"

"واہ! ہم کیوں یاد کرتے۔ اب تو تم ہمیں یاد کرو گی۔" آفاق نے جھٹ جواب دے دیا، "بات دراصل یہ ہے گڑیا بہن کہ ابّو کا خط آیا ہے۔ میں نے سوچا تمھیں اطلاع دے دوں۔"

"ارے سچ! ابّو کا خط آیا ہے۔ پلیز جلدی سے دے دیں۔ مجھے تنگ نہ کریں۔"

آفاق کا جب موڈ ہوتا وہ اسی طرح نازش کو تنگ کر کے محظوظ ہوتا۔ ابّو کا خط چوں کہ بہت دِنوں میں آیا تھا اس لیے اکثر وہ ابّو کی طرف سے خط لکھ کر خود ڈاک میں ڈال دیتا تھا، کیوں کہ آفاق سے اپنی بہن کی اُداسی نہیں دیکھی جاتی تھی۔

لیکن آج چوں کہ واقعی ابّو کا خط آیا تھا اس لیے وہ بھی بہت خوش تھا۔ ابّو کی ایک خواہش وہ تو قبول کر لیتا مگر نازش کا راضی ہونا بہت مشکل تھا۔

نازش نے جب ابّو کا خط پڑھا تو وہ اداس ہو گئی، اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "بھیّا، کیا آپ یہاں رہ کر اعلا تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔"

آفاق نے اس سال ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان دیا تھا اور نازش نے جماعت نہم کا دیا تھا اور اس کے پاس بھی سائنس تھی۔ آفاق کو پوری امید تھی کہ اس کی فرسٹ ڈویژن آئے گی، کیوں کہ اس نے بہت محنت کی تھی اور ابّو کی خواہش تھی کہ وہ اعلا تعلیم امریکا میں حاصل کرے۔ آفاق نازش سے تین سال بڑا تھا۔ جب اس کے ابّو امریکا گئے تھے تو آفاق سات سال کا تھا اور نازش چار سال کی تھی۔ جب ابّو ڈھیروں کھلونے بھیجتے تو وہ دونوں بہت خوش ہوتے اور نت نئی فرمائشیں لکھ کر بھیجتے، لیکن آہستہ آہستہ انھیں اپنے ابّو شدّت سے یاد آنے لگے، مگر ابّو نے انھیں کھلونوں سے بہلانا چاہا، جو ممکن نہ ہوا۔ ان کی امّی نے ان دونوں کی تربیت اتنے اچھے ماحول میں کی تھی کہ ان میں غرور اور تکبّر نام کو نہ تھا۔ وہ اپنے ہر دوست سے، خواہ غریب ہو یا امیر اور اپنے رشتے داروں سے بڑے خلوص اور محبّت سے ملتے تھے۔

آفاق نے اپنی بہن کو بہت سی دلیلیں دے کر سمجھانا چاہا کہ میں اعلا تعلیم حاصل کر کے ملک و

قوم کی خدمت کروں گا، لیکن نازش نے بھی ڈھیروں دلیلیں دے کر اُسے قائل کر لیا اور کہا، "بھیا، ہم اتنی دُور کی کیوں سوچیں۔ بھلا ابّو کو یہاں کس بات کی کمی تھی، جو ہم سے اتنی دُور چلے گئے۔ اولاد کو والدین کی کتنی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم نے ابّو کی جدائی میں یہ بہت سارے دن کس مشکل سے گزارے ہیں۔"

آخر آفاق کو اپنی چھوٹی بہن کے آگے جھکنا ہی پڑا، کیوں کہ محبت میں بڑی طاقت ہے۔

شام کو نازش آفاق بھیّا کے کمرے میں گئی تو میز پر ایک لفافہ پڑا تھا۔ اس نے کھول کر دیکھا تو بھیّا نے ابّو کو جواب لکھا تھا۔ وہ جلدی جلدی پڑھنے لگی تحریر تھا:

پیارے ابّو جان! السلام علیکم

نازش، میں اور ممی آپ کی دعاؤں سے بالکل خیریت سے ہیں۔ آپ کا خط ملا پڑھ کر خوشی ہوئی، مگر ابّو آپ کو یہ پڑھ کر افسوس ہوگا۔ میں اپنا ملک نہیں چھوڑ سکتا۔ میری قوم نے میری بنیادی تعلیم پر اتنی محنت کی ہے۔ میرا فیصلہ ہے کہ میں اعلا تعلیم بھی اپنے پیاروں کے قریب رہ کر حاصل کروں۔ ابّو، ہماری قوم کو ہماری ضرورت ہے۔ مجھے اپنے وطن سے بہت محبت ہے۔ اگر امریکا میں تعلیم حاصل کروں تو کیا خبر میرے قدم ڈگمگا جائیں اور وہاں کی رنگینیاں دیکھ کر میرا جذبۂ حُبِ وطن ماند پڑ جائے۔ ابّو، ہماری خواہش ہے کہ آپ بھی یہاں مستقل آجائیں۔ ہمیں قدم قدم پر آپ کی ضرورت پڑتی ہے اور پڑتی رہے گی۔ ہمیں دولت کی نہیں صرف آپ کی محبت کی ضرورت ہے۔ امید ہے مجھے اور نازش کو مایوس نہیں کریں گے۔ جواب جلد دیجیے گا انتظار رہے گا۔

خدا حافظ

آپ کا بیٹا آفاق احمد

خط پڑھ کر نازش کو اپنے بھائی پر ڈھیروں پیار آیا۔ اس کے بھائی نے اس کی محبت کی لاج رکھ لی تھی۔

تھوڑے دنوں بعد آفاق کا رزلٹ آیا۔ اس کی فرسٹ ڈویژن آئی تھی۔ پاس ہونے کی خوشی میں آج آفاق نے اپنے دوستوں کو پارٹی دی تھی۔ آفاق اور اس کی ممی اور نازش بہت خوش تھے۔ کاش ابّو ہوتے تو کتنا مزا آتا۔ آفاق اپنے ابّو کو یاد کر رہا تھا کہ گھنٹی کی آواز پر چونک گیا اور نازش بھاگ کر دروازے پر پہنچی۔ آفاق بھی پیچھے پیچھے آگیا تھا۔ دروازے پر اچانک اپنے ابّو

کو دیکھ کر دونوں کے دل خوشی سے جھوم اُٹھے۔ شاید انھیں امید نہیں تھی کہ ہماری خواہش اچانک یوں پوری ہو جائے گی اور وہ دونوں بے یقینی کی کیفیت میں ابّو سے لپٹ گئے۔

نازش بولی، "ابّو آپ نے تو ہمیں کوئی خبر ہی نہیں دی اور اچانک آ گئے۔"

"ہاں بھئی، تمھارا خط پڑھ کر میرے دل پر بہت اثر ہوا۔ میں نے سوچا کہ بس اب اپنے پاکستان ہی میں رہیں گے اور اچانک پہنچیں تو زیادہ خوشی ہوتی ہے اور یقین کرو تمھارے چہرے پر یہ خوشی دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں کتنا بدنصیب باپ ہوں کہ اپنی پیاری معصوم خوشیوں کو چھوڑ کر دولت کی محبّت میں خوار ہوا۔ بچّو! مجھے معاف کر دو کہ میں نے اپنے اوپر اور تم لوگوں پر بہت ظلم کیا۔ ہم ایک دوسرے کی محبّت کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اب ہم سب محنت کر کے اپنے گھر اور اپنے وطن میں اُجالا کریں گے۔

نازش اور آفاق اپنے ابّو کا فیصلہ سُن کر اتنے خوش ہوئے کہ خدا کے حضور سجدے میں پڑ گئے۔ آج ان کی دعائیں پوری ہو گئی تھیں اور نازش سوچ رہی تھی کہ خدا جب دینے پر آتا ہے تو چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے اور آج تو ان کو سچّی خوشیاں ملی تھیں جن پر وہ جتنا بھی ناز کرے کم تھا

زندگی کے رنگ — مفکّرین کی نظر میں

الف سے ی تک

مرتب : محمد اشرف نوشاہی

الف سے انسان: انسان کو ہر روز اپنے عمل کا جائزہ لے کر دیکھنا چاہیے کہ اس کا عمل کسی حیوان کی طرح ہے یا نیک انسان کی مانند۔ (حکیم بقراط)

ب سے برداشت: جس دل میں برداشت کی قوّت ہو وہ کبھی نہیں ہارتا۔ (حکیم لقمان)

پ سے پشیمانی: جو شخص جلد باز ہو ہمیشہ پشیمان و غم زدہ رہے گا۔ (حکیم بزرجمہر)

ت سے تدارک: ہر خرابی کا تدارک ممکن ہے، لیکن حماقت کا کوئی علاج نہیں۔ (بنجمن فرینکلن)

ج سے جگہ: انسان کے جسم میں ضمیر سب سے زیادہ جگہ گھیرتا ہے۔ (مارٹن بکس بام)

چ سے چیلنج: چیلنج اس لیے نہ کرو کہ تم میں غرور پیدا ہو بلکہ اس لیے کرو کہ تم میں عزم پیدا ہو۔ (محمد علی جوہر)

ح سے حیات: حیاتِ ابدی کا مستحق وہ ہے جس سے علم کو زندگی ملتی ہے جو علم کو زندہ رکھے گا خود بھی زندہ رہے گا۔ (حضرت علی علیہ السلام)

خ سے خدا: خدا کی عظیم طاقت تیز و تند طوفان میں نہیں نسیمِ سحر میں ہے۔ (حکیم بقراط)

د سے دل: کسی کا دل مت توڑو، کیوں کہ سب انسانوں کے دِل قیمتی ہیں۔ (بابا فرید گنج شکرؒ)

ڈ سے ڈر: جو شخص بُرے کاموں سے ڈرے، وہ سب سے بہادر ہے۔ (جانسن)

ر سے راحت: اپنی ضروریات کم کرو گے تو راحت حاصل ہو گی۔ (حضرت امام شافعیؒ)

ز سے زندگی: زندگی میں سب سے دشوار کام یہی ہے کہ تم چوٹی تک پہنچ جاؤ تو خود کو قائم رکھو۔ (قائدِ اعظم محمد علی جناح)

س سے سخی: انسان کو دریا کی طرح سخی، سورج کی طرح شفیق اور زمین کی طرح نرم ہونا چاہیے۔ (خواجہ معین الدین چشتیؒ)

ش سے شعار: سردار بننا چاہتے ہو تو حرکت، عمل اور جِدّ و جہد کو اپنا شعار بناؤ۔ (حضرت امام حسینؑ)

ص سے صادق: خدا تعالیٰ ہمیشہ صادقوں کی مدد کرتا ہے۔ (حضرت نوشہ گنج بخشؒ)

ض سے ضائع: وقت ضائع کرتے ہوئے یاد رکھیے کہ وقت بھی آپ کو ضائع کر رہا ہے۔ (حکیم ارسطو)

ط سے طبقات: سچّی محبّت کا اصول تب ہی ممکن ہے جب سب طبقاتی امتیازات نیست و نابود کر دیے جائیں۔ (ماؤزے تنگ)

ظ سے ظالم: ظالم لوگ ابھی تک ایسی زنجیر تلاش نہیں کر سکے جو دماغوں کو جکڑ سکے۔ (کیٹو)

ع سے عقل مند: عقل مند کا منھ رازوں کا بہترین صندوق ہے۔ (سلطان ٹیپو شہید)

غ سے غلام: تم نے لوگوں کو غلام کیوں بنا لیا ہے؟ ان کی ماؤں نے تو انھیں آزاد پیدا کیا تھا۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

ف سے فرق: اندھیرے میں رنگوں کا فرق مٹ جاتا ہے۔ (بیکن)

ق سے قبولیت: اگر اچھی بات تمھارے دشمن میں بھی ہو تو اُسے قبول کرنے سے گریز نہ کرو۔ (حکیم بقراط)

ک سے کاہل: کاہل آدمی آیندہ زمانے کی موہوم اُمید کے گیت گاتا رہتا ہے۔ (ڈیل کارنیگی)

گ سے گفت گو: خاموشی بے ہودہ گفت گو سے بہتر ہے۔ (حکیم ابنِ خلدون)

ل سے لباس: جب کسی جاہل کو عمدہ لباس میں دیکھتا ہوں تو اس لباس کی قسمت پہ رونا آتا ہے۔ (بلنگر)

م سے مسکراہٹ: مسکراہٹ روح کا دروازہ کھولتی ہے۔ (حکیم البیرونی)

ن سے نقصان: کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا خود نقصان اُٹھانے سے بھی بُرا ہے۔ (حکیم سقراط)

و سے وقت: وقت ہمیشہ وہ کرنے کا حق رکھتا ہے جو صحیح ہو۔ (مارٹن لُوتھر کنگ)

ھ سے ہمّت: ہر مشکل انسان کی ہمّت کا امتحان لینے آتی ہے۔ (حکیم بقراط)

ی سے یادداشت: یادداشت ساحل پر گھومتے بچّے کی مانند ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ بچّہ کون سا ننھا پتھر اُٹھائے گا۔ (ایمرسن)

آسمان کی بجلی سے بچیے

بادل گرجے بجلی چمکے مینھ چھم چھم برسے، بارش کے موسم کی یہ ایک بڑی خوب صورت عکاسی ہے۔ تپتی گرمیوں میں ہر شخص آسمان میں سیاہ جھومتے بادلوں کو ڈھونڈتا ہے۔ ہر کان ان کی گھن گرج میں لگا ہوتا ہے اور ہر آنکھ کالے بادلوں میں کڑکتی لہراتی بجلی کی روشن لکیریں دیکھنے کی تمنا کرتی ہے۔ بادل، گرج اور چمک رحمت کا درجہ رکھتے ہیں۔ برستا پانی پیاسی زمین کو سیراب کر کے اس میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے۔ بجلی کی چمک ہوا میں پھیلے گرد و غبار کے ذرّوں اور پانی کے ساتھ مل کر پودوں اور درختوں کے لیے قدرتی کھاد فراہم کرتی ہے، لیکن کبھی یہی بجلی زمین پر قہر بن کر ٹوٹتی ہے اور پلک جھپکتے میں اپنی راہ میں آنے والی ہر شے کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ دنیا میں ہر سال سیکڑوں افراد بجلی کی زد میں آکر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ہمارے کوہستانی علاقوں میں بالخصوص بجلی گرنے کے واقعات زیادہ ہوتے ہیں۔ اس سے محفوظ رہنے کے لیے مندرجہ ذیل تدبیروں پر عمل کیجیے:

- بجلی چمک رہی ہو تو کھلے میدان کے بجائے مکان یا کسی عمارت یا بند گاڑی میں پناہ لیجیے۔
- پانی کے قریب سے ہٹ جائیے۔ کشتی رانی کر رہے ہوں تو جلد از جلد کنارے پر پہنچ جائیے۔
- دھات کی بنی اشیا، مثلاً سائکل، سلاخ، خاردار باڑھ یا لوہے کے جنگلے وغیرہ سے دُور رہیے۔
- بلند اور اونچے درختوں سے دُور رہیے۔
- اگر آپ کسی کھلے میدان میں ہوں تو زمین پر بیٹھ جائیے، سَر کو گھٹنوں میں دے کر اور پیروں کو بازوؤں میں لے لیجیے۔ اس طرح آپ کا جسم بجلی کی زد میں زیادہ نہیں رہے گا۔
- اگر آپ کئی لوگوں کے ساتھ ہوں تو ان کے ساتھ بھاگنے کے بجائے ان سے دُور ہو جائیے اور انھیں بھی منتشر ہونے کو کہیے۔
- بجلی چمک رہی ہو تو ٹیلے فون کے استعمال سے بچیے، کیوں کہ وہ تار کے ذریعے سے آپ تک پہنچ سکتی ہے۔

❀ ❀

شاہ سنز کی نئی گولڈ فنش آٹوکریٹ پینسل
جہاں چلے، رواں چلے

پینسل کی کہانی
خود اس کی زبانی

پیارے بچّو! کیا آپ کو معلوم ہے کہ مجھے سب سے پہلے کس نے اور کب تیار کیا؟
۱۷۹۵ء کی بات ہے۔ ایک فرانسیسی باشندے نے سب سے پہلے میرا سکہ دریافت کیا۔ اس سکے میں گریفائٹ اور کِلے کا محلول شامل ہوتا ہے جسے گرم بھٹی میں ایک ہزار فارن ہائٹ کے درجہ حرارت پر گرم کیا جاتا ہے۔ اس گریفائٹ میں کاربن کی مقدار ۹۰ فیصد ہوتی ہے جبکہ کِلے اسے مضبوطی سے جوڑنے کے لیئے استعمال ہوتی ہے۔ رنگین پینسلوں میں موم، تیل اور مختلف رنگ شامل کئے جاتے ہیں پینسلوں میں استعمال ہونیوالی لکڑی کیلیفورنیا اور انڈونیشیا سے درآمد کی جاتی ہے

پاکستان میں ان پینسلوں کی تیاری کے لیئے **شاہ سنز** کا نام سرِفہرست ہے۔ ان کی پینسلیں عالمی معیار کے مطابق تیار کی جاتی ہیں۔ ان کا سکہ مضبوط اور رواں ہوتا ہے۔

شاہ سنز کی نئی آٹوکریٹ پینسل کا تو جواب نہیں۔
ایک بار آزمانے کے بعد آپ اسے بار بار استعمال کریں گے،
دفتروں میں، اسکولوں میں، آرٹسٹ،
انجنیئرز، طالب علم سب ہی اسے استعمال کرتے ہیں۔

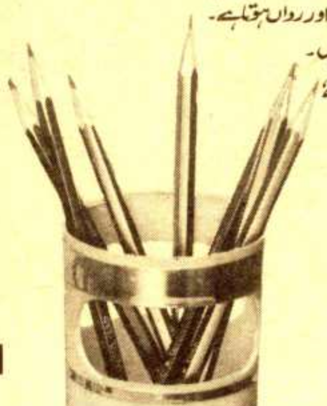

شاہ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ڈی ۸۸ - ایس - آئی - ٹی - ای - کراچی
فون : ۲۹۳۴۵۱، ۲۹۳۴۵۲

Midas Khi

چاند تارے

شفیق الرحمٰن شفق

جھل مل، جھل مل کتنے سارے
نیل گگن میں روشن تارے

چاند کی کشتی کے رکھوالے
ہمت سے پتوار سنبھالے

ساتھ سفر کشتی کے جاری
کرنوں کی ہر سُو گُل کاری

روشن منزل، روشن راہی
ایماں جن کا خود آگاہی

سوئے منزل گرم سفر ہیں
اور عزائم جاں پرور ہیں

جب تک چاند سفر میں ہو گا
ربط مہ و اختر میں ہو گا

علم کی دنیا چاند نگر ہے
روشن روشن خوش منظر ہے

بچّو! تم بھی ہو مہ پارے
ممتا کی آنکھوں کے تارے

تم بھی تارے بن کر چمکو
علم کو اپنا محور سمجھو

یہ کیا بدتمیزی ہے۔ اچھے بچے اسکول سے اس طرح واپس آتے ہیں!
آپ ہی نے تو کہا تھا کہ اگر امتحان میں فیل ہوجاؤں تو گھر میں قدم نہ رکھوں۔

بچو! سچ بتاؤ کہاں سے آرہے ہو؟ میں جب تمہاری عمر کا تھا تو کبھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔
دادا جان، پہلے یہ بتائیے کہ ہماری عمر سے نہیں تو کس عمر سے آپ نے جھوٹ بولنا شروع کیا ہے؟

سوال و جواب

طب کی روشنی میں

حکیم محمد سعید

ذہن اُلجھا رہتا ہے

س : میری عمر ۱۸ سال ہے۔ میرا ذہن ہر وقت اُلجھا رہتا ہے۔ میرے ذہن میں خیالات آتے رہتے ہیں اور کسی کام میں دل نہیں لگتا، خواہ اس کام سے مجھے دل چسپی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی وجہ سے میری تعلیم پر خراب اثر پڑ رہا ہے، حال آنکہ میرا تعلیمی ریکارڈ ہمیشہ اچھا رہا ہے۔ میٹرک میں میرا اے گریڈ تھا، لیکن اب بہت ہی خراب نمبر آتے ہیں۔ عباس عسکری، کراچی

ج : عسکری میاں، مجھے آپ کی ذہنی الجھن سے بہت افسوس ہوا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ اپنی صحت سے غفلت برت رہے ہوں اور اپنے ہاتھوں اپنی صحت برباد کر رہے ہوں۔ ہمارے اکثر نوجوانوں کو عمر کے اس حصے میں بڑے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ درحقیقت حفظِ صحت اور حفظِ قوّت کا وقت یہی ہوتا ہے۔ اگر اس وقت لغزش ہو جائے تو عمارت کو گویا دیمک لگ جاتی ہے۔ یہ دیمک جسم کو چاٹ لیتی ہے اور جسم کا ہر نظام متاثر ہو کر رہتا ہے۔ آپ عمر کے اس حصّے میں ہیں کہ آپ کو اپنی زندگی کا مقصد متعیّن کرنا چاہیے اور پھر اس اعلا مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جدوجہد کے لیے صحت لازمی ہے اور کام یابی کے لیے قوّت ضروری ہے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ خود "اے" گریڈ سے "بی" میں آگئے ہیں۔ اگر آپ اپنی صحت کا خیال کرتے تو "اے ون" حالات ہوتے، اب بھی ہو سکتے ہیں۔ توازن اور اعتدال شرط ہے۔

بال گر رہے ہیں

س : میرے بال گرتے ہیں۔ جب میں نہاتا ہوں تو بھی بال گرتے ہیں اور جب کنگھی کرتا ہوں تب

بھی بال گرتے ہیں۔ بال ہر وقت صاف رکھتا ہوں، پھر بھی گرتے ہیں۔

مومن خان خٹک، واں بھچراں

ج : ممکن ہے سر میں خشکی ہو، اگر ایسا ہے تو اس کا علاج ہونا ضروری ہے۔ اس کے لیے دوائے خارش سفید ۶ گرام اور روغن کمیلا ۶۰ گرام دونوں کو ملا کر اور ہلا کر رکھ لیں۔ رات کو روزانہ یہ تیل سر میں لگائیں۔ کئی دن کے استعمال سے خشکی دُور ہو جائے گی۔

داڑھ کا درد

س : میری ۸ سالہ بہن ہر ۱۵ دن کے بعد داڑھ کے درد کی شکایت کرتی ہے۔ دونوں طرف داڑھ کا درد اتنا شدید ہوتا ہے کہ دودھ اور ڈبل روٹی بھی نہیں کھا سکتی۔ ہم بہت پریشان ہیں۔

تسلیم روبینہ، منظر گڑھ

ج : دانتوں کے معاملے میں بچّوں کو پوری احتیاط کرنی چاہیے حتیٰ کہ دودھ کے دانتوں تک کی حفاظت کرنی چاہیے، کیوں کہ ان ہی کی جگہ مستقل دانت نکلتے ہیں۔ اکثر بچّے مٹھائیاں زیادہ کھاتے ہیں، مگر وہ اس کا خیال نہیں کرتے کہ اگر منھ میں، دانتوں کے درمیان ریخوں میں مٹھائی کے ذرّات رہ جائیں تو اُن سے دانتوں کو کیڑا لگ جاتا ہے۔ آپ کی پیاری بہن کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے کہ انھوں نے دانتوں کی صفائی سے غفلتیں برتی ہیں۔ اب تو شاید دوا کا معاملہ نہیں رہا اور نہ تدبیر کا۔ ان کو تو اب دانتوں کے ماہر کے پاس جانا ہوگا تاکہ وہ اصل صورتِ حال کا پتا چلا کر کوئی علاج تجویز کریں۔

بلغمی مزاج

س : میری عمر تقریباً ۲۳ سال ہے۔ میرا سر اکثر بھاری رہتا ہے اور جماہی لیتے وقت آنکھوں میں پانی آجاتا ہے اور اس کے ساتھ گلے میں بلغم بھی ہوتا ہے۔ حکیم صاحبان کہتے ہیں کہ آپ کی طبیعت بلغمی ہے، اس لیے انھوں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں دودھ، دہی، کینو، مالٹا اور لیموں وغیرہ سے پرہیز کروں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ اشیا کیلشیم اور وٹامن سی حاصل کرنے کے خاص ذرائع ہیں۔ پرہیز کی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔

عبدالجلیل، پشاور

ج میری رائے تو یہ ہوگی کہ آپ اس قسم کا کوئی پرہیز نہ کریں، البتہ آپ کی ناک کی باریک جھلّی میں کسی وجہ سے ورم آگیا ہے، اس کو دُور کریں۔ آپ اپنی ناک کی صفائی پر توجہ کریں۔ بنفشے کے

پتّے قصّہ خوانی کے کسی دوا خانے سے خرید لیں اور ۱۲ گرام پتّے پانی میں جوش دے کر چھان کر اس پانی کو وضو کی طرح ناک میں سُڑکیں۔ اس سے ناک کی جھلّی کا ورم دُور ہو جائے گا۔ اسی سے غرارے بھی کریں۔ گلا بھی صاف ہو جائے گا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے ملک کے پیارے نوجوان غذاؤں اور پھلوں کے بارے میں اچھی طرح معلومات رکھتے ہیں۔

ٹی وی اور آنکھیں

س: میری عمر ۱۵ سال ہے۔ جب ٹی وی دیکھتا ہوں تو دُھندلا نظر آتا ہے۔ حال آنکہ میری نظر کم زور نہیں ہے اور جب کچھ دیر کسی جگہ بیٹھتا ہوں اور پھر اٹھتا ہوں تو چکّر آنے لگتا ہے۔ نصر اللہ مینگل، اقبو سعید خان

ج: احتیاطاً آپ کو اپنی آنکھوں کا معائنہ کرا لینا چاہیے۔ آنکھوں کے ساتھ یہ بڑا ظلم ہے کہ ٹی وی حد سے زیادہ دیکھا جائے اور یہ تو سراسر غلط ہے کہ ٹی وی اور آپ کی آنکھ کا فاصلہ ۱۰-۱۲ فیٹ سے کم ہو۔ ٹی وی سے تیز شعاعیں خارج ہوتی ہیں۔ یہ مضر ہوتی ہیں اور آنکھوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

مونچھیں اور داڑھی

س: میری عمر ۱۲ سال ہے۔ چہرے پر مونچھیں اور داڑھی نکل آئی ہے، جس کی وجہ سے اسکول میں تمام دوست مذاق اُڑاتے ہیں۔ م۔ ش۔ ب، لاہور

ج: یہ کوئی مرض نہیں ہے اور نہ اس سے آپ کو پریشان ہونا چاہیے۔ یہ آپ کے بالغ ہونے کا اظہار ہے اور آج کے غیر متوازن دَور میں بلوغت قبل از وقت بہرحال ممکن ہے۔

مسوڑوں میں درد

س: میری امّی کی عمر ۳۶ سال ہے۔ میری امی کے مسوڑوں میں شدید درد رہتا ہے۔ مسوڑے پھولتے ہیں اور دانتوں کو بھی مسوڑے قابو میں نہیں رکھ سکتے اس کی وجہ اور علاج بتائیے۔

مبشر احمد، راول پنڈی

ج محترمہ امّی کے جسم میں حیاتین ج (وٹامن سی) کی شدید کمی معلوم ہوتی ہے۔ ان کو آپ یہ وٹامن روزانہ ایک قرص کھانے کے لیے کہیے۔ مہینہ سوا مہینہ کھاتی رہیں۔ امی کو بڑا گوشت بالکل نہیں کھانا چاہیے اور چھوٹا گوشت کم سے کم۔ اس کی جگہ سبزیاں، ترکاریاں بہ کثرت کھانی چاہییں۔

اخبار نونہال

عجائب گھروں کا چکّر

شمالی امریکا واحد علاقہ ہے جہاں دنیا میں سب سے زیادہ عجائب گھر ہیں۔ اس وقت ان عجائب گھروں کی تعداد چھے ہزار سات سو ہے۔ اگر آپ روزانہ ایک عجائب گھر کی سیر کرنا شروع کریں تو آخری عجائب گھر تک پہنچنے کے لیے اٹھارہ سال لگ جائیں گے۔ اس عرصے میں اس علاقے میں چار ہزار سات سو نئے عجائب گھر اور قائم ہو چکے ہوں گے، جنھیں دیکھنے کے لیے تیرہ سال کا عرصہ درکار ہوگا اور اس تیرہ سال کے عرصے میں عجائب گھروں کی تعداد اور زیادہ بڑھ چکی ہوگی۔

مرسلہ: محمد اسد اقبال، حیدرآباد

تعزیت کرنے والا کبوتر

میساچوسٹس کے بڑے گرجا گھر چرچ آف گائی ہیڈ میں جب کیپٹن جوزف جی بلین کو دفن کرنے کی رسم کی جانے لگی تو سمندر پار سے ایک نامہ بر نسل کا کبوتر اُڑتا ہوا آیا اور اس ساری رسم کے دوران تابوت پر افسردہ بیٹھا رہا۔ دو گھنٹے بعد جب دفنانے کی رسم ختم ہو گئی تو یہ کبوتر بھی اُڑ گیا۔ اس کیپٹن نے نامہ بر کبوتر پال رکھے تھے اور یہ کبوتر اس کا پیغام لے کر سمندر پار گیا ہوا تھا۔

اسٹیڈیم

قدیم اولمپک کا میدان تقریباً ۳۰ گز چوڑا اور ۲۰۰ گز لمبا ہوا کرتا تھا اور اس لمبائی کو یونانی

زبان میں اسٹیڈ (STADE) کہا جاتا تھا۔ غالباً یہی وہ لفظ ہے جس سے لفظ اسٹیڈیم کی بنیاد پڑی، یعنی وہ جگہ جہاں کھیل کھیلے جاتے ہیں۔

مرسلہ، محسن پرویز، کراچی

چھوٹا مگر حسین جانور

قطب شمالی میں ایک بڑا خوب صورت اور حیرت انگیز جانور پایا جاتا ہے۔ یہ جسامت میں چوہے کے برابر ہوتا ہے۔ اس کے جسم پر ریشم کی طرح ملائم اور سفید بال ہوتے ہیں۔ یہ جانور جب کسی چیز سے ڈر جاتا ہے تو اس کے بالوں کا رنگ پیلا ہو جاتا ہے اور جب غصّے میں ہوتا ہے تو بالوں کا رنگ گہرا سرخ ہو جاتا ہے۔

مرسلہ: رانا امجد حسین خالد، چشتیاں

بولنے والی کار

فرانس میں حال ہی میں ایک موٹر کار ایجاد ہوئی ہے جو کار چلانے والے کو باقاعدہ انسانی آواز میں خرابی کی پیشگی اطلاع فراہم کرتی ہے۔ اس مقصد کے لیے کار میں خودکار نظام نصب کیا گیا ہے جس میں مردانہ اور زنانہ آوازوں کے ریکارڈ نصب ہیں۔ کسی خرابی سے قبل موسیقی سُنائی دیتی ہے اور اس کے بعد ڈرائیور کو کار میں چند ماہ بعد واقع ہونے والی خرابی سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ دروازہ بند نہ ہونے، سیٹ بیلٹ صحیح طور پر نہ باندھنے اور پٹرول میں کمی کی اطلاع زنانہ الفاظ میں دی جاتی ہے، البتہ کار کا انجن بہت گرم ہو جانے یا گیس ڈیزل وغیرہ کی کمی کی اطلاع مردانہ آواز میں دی جاتی ہے۔ یہ آواز ڈیش بورڈ کے نیچے لگے ہوئے اسپیکر سے آتی ہے۔

مرسلہ: محمد حبیب القادر یزدانفر، ملتان

خوف زدہ بادشاہ

مصر کا ایک سلطان "بوکشد" آخری عمر میں اپنے قتل کے ڈر سے اتنا خوف زدہ تھا کہ وہ ایک رات میں سونے کے لیے تین مختلف گھروں میں آرام کرتا تھا۔ یہ عمل اس کی زندگی کے آخری ۴۵ سال تک جاری رہا اور وہ کسی بھی جگہ تین گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹھہرتا تھا۔

مرسلہ: آمنہ عبدالوحید، اورنگی ٹاؤن

جھوٹا گواہ

علی اسد

سوداگروں کا ایک قافلہ ہندُستان جاتے ہوئے ایک جگہ پر رات بسر کرنے کے لیے رُک گیا۔ صبح کو یہ دیکھا گیا کہ قافلے کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ کی پیٹھ پر زخم ہیں۔ اس لیے اس پر سامان لادنا مناسب نہ سمجھا گیا اور اس اونٹ کو آزاد چھوڑ کر قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔ اونٹ دن بھر ادھر اُدھر چرتا رہا۔ شام کو اسے بڑے زور کی پیاس لگی۔ اتنے میں اسے ایک گیدڑ مل گیا۔ اونٹ نے گیدڑ سے کہا، "ماموں جان، میں بڑا پیاسا ہوں۔ آپ مجھے پانی تک پہنچا دیجیے۔" اس پر گیدڑ بولا، "ہاں، میں پہنچا دوں گا، مگر ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ تم مجھے اپنی زخمی پیٹھ پر سے گوشت کھانے دینا۔"

اونٹ نے کہا، "مجھے منظور ہے، چلیے۔"

اونٹ اپنے چھوٹے سے دوست کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دُور جا کر ایک چشمہ ملا۔ اونٹ نے خوب دِل بھر کر پانی پیا۔ اس کے بعد اونٹ نے گیدڑ سے کہا، "ہاں ماموں جان اب آپ میری زخمی پیٹھ کا گوشت کھائیے۔" اس پر گیدڑ بولا، "نہیں، تم بھول گئے۔ ہمارا معاہدہ یہ نہیں تھا۔ پیارے بھانجے، ہمارا معاہدہ تو یہ تھا کہ میں تمھاری زبان کھاؤں گا۔ تمھاری زخمی پیٹھ بھلا کون کھائے گا۔"

یہ سُن کر اونٹ نے کہا، "بہت خوب، مگر آپ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے گواہ لائیے۔ اس کے بعد میری زبان کھائیے۔" گیدڑ بولا، "گواہ موجود ہے۔ میں دو منٹ میں اسے لے آتا ہوں۔"

چناں چہ گیدڑ فوراً بھیڑیے کے پاس پہنچا اور اسے جھوٹا قصہ سُنا کر جھوٹا گواہ بننے پر راضی کر لیا اور بولا، "دیکھو بھیڑیے میاں، میں جب اس کی زبان کھاؤں گا تو وہ مر جائے گا۔ پھر ہم دونوں اچھی طرح سے اس کا گوشت کھائیں گے اور اپنے دوستوں کی بھی دعوت

کریں گے۔"

اب دونوں اونٹ کے پاس پہنچے اور گیدڑ نے بھیڑیے کو مخاطب کرکے کہا، "کیا معاہدہ ہوا تھا؟ کیا اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ اگر میں اسے پانی تک پہنچا دوں تو یہ مجھے اپنی زبان کھانے دے گا؟"

"ہاں ہاں، یہی طے ہوا تھا۔" بھیڑیا بولا۔ "میں ایک چٹان کے پیچھے بیٹھا یہ باتیں سُن رہا تھا۔"

یہ سُن کر اونٹ نے کہا، "چلو یہی سہی۔ تم دونوں جھوٹ بول کر خوش ہوتے ہو تو پھر آؤ گیدڑ میاں، میری زبان کھالو۔" یہ کہہ کر اونٹ نے اپنی لمبی گردن جھکالی، لیکن گیدڑ نے بھیڑیے سے کہا، "دیکھو دوست، میں تو بہت چھوٹا ہوں اور کم زور بھی ہوں۔ اونٹ کی اتنی لمبی زبان گھسیٹنا میری طاقت کے باہر ہے۔ یہ کام میری خاطر تم کردو۔"

چناں چہ بھیڑیے نے اپنا سر اونٹ کے منھ کے اندر ڈال دیا تاکہ زبان کو پکڑ کر گھسیٹے، لیکن اونٹ نے فوراً اپنے طاقت ور جبڑوں کو بند کرلیا اور اپنے دشمن کا سَر چبا ڈالا۔ بھیڑیا مَر گیا۔ اِدھر گیدڑ خوش ہو کر ناچنے اور چلّانے لگا:

"جھوٹے گواہ کا انجام دیکھ لو، جھوٹے گواہ کا انجام دیکھ لو۔"

جن ملکوں میں جانوروں کی تعداد سب سے زیادہ ہے

(حساب ملین میں)

چین :	گدھے	۱۴,۷۹۷	بھارت :	بھینسیں	۱۲۴,۴۱۷
سوڈان :	اونٹ	۱۴,۵۴۸	چین :	مرغیاں	۵,۶۳۷,۵۹۲
ہندُستان :	گائے بیل	۱,۱۵۰,۵۱۲	پولینڈ :	بطخیں	۱۳۹,۶۶۲
ہندُستان :	بکریاں	۳۹۱,۳۷۵	برازیل :	گھوڑے	۶۴,۲۶۴
برازیل :	خچّر	۱۴,۵۰۰	اوسٹریلیا :	بھیڑیں	۱,۰۳۹,۲۶۵

بارش میں بھوت

سیماں

گھٹا ایک دم ہی چھا گئی تھی۔

اندازہ نہیں تھا کہ یکایک بارش شروع ہو جائے گی ورنہ میڈم آفاقی بچّوں کو گھروں میں چھوڑنے کا کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کرتیں۔ انھوں نے تو گھٹا چھاتے ہی اسکول کی چھٹّی کر دی تھی، تاکہ سب بچّے بارش ہونے سے پہلے جلدی جلدی گھروں کو پہنچ جائیں، لیکن ابھی بچّے اسکول سے کچھ دُور ہی نکلے تھے کہ یکایک بارش ہونے لگی اور پَل بھر میں جَل تھل ہو گیا۔

جن بچّوں کے گھر قریب تھے وہ تو بھیگتے بھاگتے گھر پہنچ ہی گئے ہوں گے، مگر جبران، آصف اور نوبین ابھی راستے ہی میں تھے کہ بارش نے اپنا زور پکڑ لیا۔ تینوں بے حد پریشان تھے، کیوں کہ

ان کے گھر کے راستے میں ایک چھوٹی سی ندی پڑتی تھی جو عام طور سے خشک رہا کرتی تھی، لیکن جب بارش ہوتی تو یہ ندی بھر جاتی تھی۔ وہ تینوں اپنے بستے اٹھائے تیز تیز چل رہے تھے، تاکہ ندی کا پانی زیادہ نہ بڑھ جائے۔ ادھر گھٹا تھی کہ دن میں بھی رات کا گمان ہوتا تھا۔ سامنے بارش کی چادر سی تن گئی تھی۔ تھوڑے فاصلے کی چیزیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

تینوں اندازے سے آگے بڑھ رہے تھے۔ ندی تک پہنچے تو پانی خاصا بڑھ چکا تھا۔ تینوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کے ندی میں اُتر گئے۔ پانی ان کی کمر تک آرہا تھا۔ لیکن انھوں نے ہمّت نہ ہاری اور آگے بڑھتے رہے۔ پانی اب ان کے سینے تک آنے لگا تھا۔ اندھیرا اور بڑھ گیا تھا۔

تینوں بچّے خوف زدہ تھے۔ نوین کا تو ڈر کے مارے بُرا حال تھا، مگر جبران اور آصف اُسے حوصلہ دلا رہے تھے۔ ندی سے کچھ فاصلے پر قبرستان بھی تھا۔ ویسے تو انھوں نے اسکول آتے جاتے کبھی سوچا بھی نہ تھا، لیکن اب اس کا احساس ان کے لیے خوف ناک تھا۔

تینوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے سینے تک پانی میں آگے بڑھ رہے تھے کہ یکایک کہیں دُور سے ڈوبتی اُبھرتی کسی بچّے کی پکارتی ہوئی آواز آئی:

"ٹھیرو مجھے بھی ساتھ لے لو .... رُکو مجھے بھی ساتھ لے لو۔"

"ارے یہ کون بچّہ ہے؟" آصف نے چونک کر کہا۔

"رُکنا مت۔" نوین نے کانپتی آواز میں کہا "یہ ضرور قبرستان کا کوئی بھوت ہے، جو بچّے کی شکل میں ہمیں روک رہا ہے۔"

"نہیں، نہیں، ممکن ہے سچ مچ کوئی بچّہ ہو اور ہم سے مدد چاہتا ہو۔" جبران نے رُکتے ہوئے کہا، مگر نوین نے جلدی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور آصف کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ کے بولی، "نہیں، نہیں، میں نہیں رکوں گی .... ہم کیوں اپنی زندگی خطرے میں ڈالیں .... جبران بے وقوفی مت کرو۔" آواز نزدیک آتی جا رہی تھی:

"خدا کے لیے ٹھیر جاؤ۔ میں ڈوب جاؤں گی۔ مجھے ساتھ لے لو۔"

"میں دیکھتا ہوں کون ہے۔" جبران پیچھے کی طرف چلنے لگا۔

"بے وقوفی مت کرو جبران، بارش بڑھ گئی تو ہم پھنس جائیں گے۔ نوین صحیح کہتی ہے۔" آصف نے زور سے کہا۔ "ہمیں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے آصف، ہم کسی کی مدد کریں گے تو خدا ہماری

مدد کرے گا۔" جبران نے کہا۔
"زیادہ انسانیت مت دکھاؤ۔ جانے وہ کیا چیز ہے۔ الٹی گلے پڑ گئی تو پچھتاؤ گے۔" نوین بولی۔
"نیکی کبھی ضائع نہیں جاتی نوین۔" جبران نے کہا، "ہم مسلمان ہیں، ہمیں ایسی چیزوں سے خوف نہیں کھانا چاہیے۔"
"جاؤ پھر تم ہی جاؤ۔ ہم تو نہیں جاتے۔ کیوں آصف، تم میرے ساتھ چلو گے؟" نوین نے کہا۔
"ٹھیک ہے جبران، میں نوین کے ساتھ آگے بڑھتا ہوں۔ تم دیکھ کر آؤ کیا چیز ہے۔ ہماری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔" آصف نے کہا۔
"شکریہ دوست۔" جبران نے کہا اور واپس پلٹ گیا۔
آصف اور نوین ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ندی کے پانی سے باہر نکل آئے۔ وہ پیچھے مُڑ مُڑ کر دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ بارش میں بھیگتے جا رہے تھے۔ دونوں کو جبران کی فکر تھی۔ پیچھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بارش کی ایک چادر سی تنی ہوئی تھی۔ وہ دونوں آگے بڑھتے رہے۔ یکایک انھیں کچھ فاصلے پر باتیں کرنے کی آواز آئی۔ آصف نے فوراً پہچان لیا وہ اس کے ابّو تھے۔
قریب جانے پر انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔ نوین اور جبران کے بڑے بھائی سلمان بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہ انھیں لینے کے لیے آرہے تھے۔ جبران کو ان کے ساتھ نہ دیکھ کر وہ لوگ پریشان ہوگئے۔ آصف نے جلدی جلدی انھیں سارا واقعہ سُنایا۔
وہ سب واپس پلٹے اور پھر کچھ فاصلے پر ہی انھیں جبران دکھائی دے گیا۔ اس کی گود میں ایک پانچ چھے سال کی بچّی تھی۔ اس کے گلے میں بھی بستہ ٹنگا ہوا تھا۔ قریب آنے پر نوین نے پہچان لیا۔ وہ پہلی جماعت کی زوبیہ تھی۔ وہ سب زوبیہ کو ساتھ ہی لے آئے۔
جبران نے بتایا کہ زوبیہ بے چاری گردن گردن پانی میں ڈوب رہی تھی اور اس کا چلنا بھی محال تھا۔ اگر وہ اس کی مدد نہ کرتے تو ممکن تھا کہ وہ ندی کے پانی میں ڈوب کے مر جاتی۔
آصف کے ابّو اور محلّے کے دوسرے لوگوں نے جبران کو خوب شاباش دی۔
جیسے ہی بارش رُکی جبران اور ان کے بڑے بھائی سلمان موٹر سائکل پر زوبیہ کو لے کر اس کے گھر پہنچے۔ زوبیہ کے سب گھر والے اس کے لیے بے حد پریشان تھے۔ اس کی امّی نے اسے دیکھتے ہی لپٹا لیا اور سب نے جبران کو اس کی بہادری اور حوصلے کی داد دی اور خوب پیار کیا۔

چور پکڑنے کی مشین

معراج

ڈاکٹر اے ڈی مریخی کے نام سے تو آپ واقف ہی ہوں گے۔ ارے بھئی یہ وہی مشہور سائنس داں ہیں جو نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ایک دن ڈاکٹر مریخی نے اپنے گھر کی گھنٹی بجائی۔ جب بہت دیر تک کوئی دروازہ کھولنے نہیں آیا تب انھیں یاد آیا کہ گھنٹی تو انھوں نے خود ہی اُتار دی تھی اور اب دوسری نئی قسم کی گھنٹی ایجاد کرنے کی فکر میں تھے۔ وہ باورچی خانے کی کھڑکی سے گھر میں داخل ہوئے۔ انھوں نے ایک سایہ سا دیکھا۔ ڈاکٹر مریخی نے ایک چشمہ جلدی سے ناک پر جمایا اور باقی چار پانچ کو دوسرے ہاتھ میں پکڑا اور گھور گھور کر اس سائے کو دیکھنے لگے۔ ڈاکٹر نے سر جھکا کر کہا، "محترمہ، مجھے آپ کچھ جانی پہچانی سی معلوم دیتی ہیں۔"

بیگم جھلّا کر بولی، "تمھارے دیدے تو بالکل پٹم ہو گئے۔ ارے کیا تم مجھے بھی نہیں پہچانتے؟"

ڈاکٹر نے جھٹ سے دوسری عینک ناک پر جمائی اور کھسیانے ہو کر بولے، "بیگم، معاف کرنا غلطی سے میں نے دوسری عینک لگالی تھی۔" ڈاکٹر کو اچانک کچھ یاد آیا۔ انھوں نے کہا، "بیگم، تم جلدی سے کپڑے تبدیل کر کے آؤ۔ ایک بہت ہی دِل چسپ فلم چل رہی ہے۔ میں دوسرے شو کے دو ٹکٹ لے آیا ہوں۔"

بیگم بولی، "مجھے کپڑوں پر استری کرنی ہے، کھانا پکانا ہے اور ....."

ڈاکٹر نے بات کاٹ کر کہا، "ارے چھوڑو ان سب باتوں کو آج کھانا ہوٹل میں کھائیں گے۔ تم جانتی ہو کہ میں کتنا مصروف آدمی ہوں۔ مجھے فرصت ذرا کم ہی ملتی ہے۔ اس لیے میں فرصت کے لمحات کو سیر و تفریح میں گزارنا پسند کرتا ہوں۔"

بیگم ڈاکٹر مریخی کی بات مان گئی۔ ڈاکٹر مریخی تو جوتے پہننے اور اُتارنے میں مصروف ہو گئے۔ ایک دفعہ تو غلطی سے ایک پاؤں میں براؤن اور دوسرے میں سیاہ جوتا پہن لیا تھا۔ دو تین دفعہ دائیں پاؤں میں بایاں جوتا چڑھا گئے۔ اتنی دیر میں بیگم بھی جلدی سے میک اپ کر کے اور کپڑے تبدیل کر

کے آگئی۔

وہ سینما پہنچے۔ جب وہ اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو اچانک بیگم کو کچھ خیال آیا۔ وہ گھبرا کر بولی، "ہائے اللہ میں باورچی خانے کی کھڑکی بند کرنا تو بھول ہی گئی۔"

ڈاکٹر نے کہا، "ادھر میں بھی قفل کی چابی کمرے میں ہی بھول آیا ہوں۔"

جب وہ فلم دیکھ کر واپس لوٹے تو باورچی خانے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ وہ اسی کھلی ہوئی کھڑکی سے باورچی خانے میں داخل ہوئے۔ ان کے آنے سے پہلے چور گھر کا صفایا کر چکے تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ گھر میں جھاڑو پھیر گئے تھے۔ بیگم تو سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی اور چھاجوں آنسو بہانے لگی۔

ڈاکٹر مریخی نے گھر کا معائنہ کرنے کے لیے ایک ایک کمرے میں گھوم پھر کر دیکھا۔ ہر کمرا بالکل خالی پڑا تھا۔ ڈاکٹر مریخی نے کہا، "بیگم، گرے ہوئے دودھ پہ آنسو بہانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اب پچھتائے سے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔"

بیگم مریخی نے جل کر کہا، "ارے تم محاورے چھانٹ رہے ہو۔ اُدھر چور میرا سب کچھ لے گئے۔ کم بختوں نے ایک تنکا بھی تو نہیں چھوڑا ہے۔"

دراصل جب مریخی صاحب اپنی بیگم کے ساتھ فلم دیکھنے میں مصروف تھے تو ڈاکوؤں نے گھر کا صفایا کر دیا۔ وہ چاندی کی تشتری، چائے دانی، پیالیاں، پلنگ، کرسی، میز وغیرہ سب سامان گاڑی میں لاد کر لے گئے۔ خوش قسمتی سے تجربہ گاہ اور اس کا سامان محفوظ رہا۔ تجربہ گاہ کے دروازے پر ایک موٹا قفل پڑا ہوا تھا جسے کھولنے کی آسان ترکیب یہ تھی کہ ذرا سا ٹوتھ پیسٹ اس میں ڈال کر پھونک مارنی پڑتی تھی۔ چوروں کو یہ ترکیب معلوم نہیں تھی۔ اس لیے تجربہ گاہ کے سامان کو ہاتھ تک نہ لگا سکے۔ وہ اس کاٹھ کباڑ کو لے جا کر کرتے بھی کیا؟

ڈاکٹر مریخی نے بیگم کو جو اس طرح روتے دیکھا تو انھیں بھی تاؤ آگیا۔ وہ غصّے سے بولے، "اب میں ایسا انتظام کروں گا کہ آئندہ چور ہمارے گھر میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ میں ایک چور پکڑنے کی مشین ایجاد کروں گا۔"

بیگم نے کہا، "میرا خیال ہے کہ پہلے آپ تھانے میں رپورٹ درج کروا دیں۔"

ڈاکٹر مریخی ایک پولیس والے کو بُلا لائے۔ اس نے اِدھر اُدھر سونگھ کر دیکھا۔ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آسکا تو وہ ایک اور پولیس والے کو بُلا لایا۔ وہ دونوں کچھ دیر تک ٹامک ٹوئیاں

مارتے رہے۔ ایک پولیس والا بولا، "ایک مشہور آدمی کا قول ہے کہ اگر کوئی بات ذہن میں نہ آرہی ہو تو سوچنا بند کر دو اور کھانا شروع کر دو۔ آپ کا باورچی خانہ کدھر ہے بابا جی؟"

وہ دونوں ڈاکٹر کے باورچی خانے میں گھس گئے۔ جو سامان چوروں سے بچ گیا تھا وہ انھوں نے ہضم کر لیا۔ ادھر ڈاکٹر مریخی اپنی تجربہ گاہ میں گھس گئے اور ایک چور پکڑ مشین بنانے میں مصروف ہو گئے۔

اگلی صبح بیگم نے دروازہ کھول کر پوچھا، "تمھارا کتنا کام باقی رہ گیا ہے؟"

ڈاکٹر نے ہنس کر کہا، "نیک بخت، ابھی تو کام شروع بھی نہیں ہوا ہے۔"

اور بات یوں تھی کہ ابھی ڈاکٹر مریخی نے ایک لکڑی میں دو میخیں گاڑی تھیں اور سوچ رہے تھے کہ اب کیا کیا جائے؟

بیگم نے کہا، "میں یہ اطلاع دینے آئی تھی کہ ناشتا تیار ہے۔"

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا، "ایک مشہور آدمی کا قول ہے کہ اگر کوئی بات ذہن میں نہ آرہی ہو تو

ڈاکٹر مریخی نے سایہ دیکھتے ہی جلدی سے چشمہ بدل لیا۔

سوچنا بند کر دو اور کھانا شروع کر دو۔"

ڈاکٹر مرچی نے اس بات پر پوری طرح عمل کیا یعنی خوب ڈٹ کر کھانا کھایا۔ پھر دن پر دن گزرتے چلے گئے، ڈاکٹر اپنے کام میں ایسے جُتے کہ نہ دن کی خبر رہی نہ رات کی۔ آخر انھوں نے چور پکڑ مشین بنا ہی ڈالی اور اپنی بیگم کو خبر سنائی، "بیگم، مبارک ہو، میں نے آخر چور پکڑنے والی مشین ایجاد کر ہی لی۔ اب ذرا آکر اسے دیکھو تو سہی۔"

ڈاکٹر مرچی بیگم کو ساتھ لے کر تجربہ گاہ میں پہنچے۔ بیگم اس بے ہنگم سی مشین کو دیکھ کر ہکاّ بکاّ رہ گئی۔ ایک چرخے سے ایک اور چرخا بندھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ لکڑی کی ایک موگری لٹک رہی تھی، ایک ڈوری چرخی پر سے گزر کر ایک گھنٹی سے بندھی ہوئی تھی۔ بیگم بولی، "اُوئی! یہ کیا بلا ہے؟"

ڈاکٹر مرچی کھسیانے ہو کر بولے، "میں نے اسے دیدہ زیب بنانے کی بہت کوشش کی، لیکن یہ بے ڈھنگی اور بے ڈول ہی رہی۔ اچھا آؤ۔ اب میں تمھیں دکھاتا ہوں کہ یہ مشین کس طرح کام کرتی ہے۔"

ڈاکٹر نے مشین میں چابی بھری۔ پھر ایک گاؤ تکیے کو کوٹ پہنایا اور بولے، "یہ رہا ایک مصنوعی چور۔"

پھر انھوں نے مصنوعی چور کو کھڑکی کی راہ سے اندر دھکیل دیا۔ مشین کے اندر سے عجیب عجیب آوازیں نکلیں۔ ٹک ٹک ٹک، گھڑڑڑ۔ چکر چوں چوں، گھوں، گھوں۔ گھوں۔ گھوں۔

اور ڈاکٹر مرچی خوشی کے مارے ناچنے لگے، "ارے واہ وا۔ یہ تو کام کر رہی ہے۔ ارے واہ وا۔"

اسی اُچھل پھاند میں انھوں نے دو تین گملے توڑ ڈالے۔ پھولوں کی کیاری کو روند ڈالا۔ آخر ایک تالاب میں جا گرے۔

آخر کافی جدوجہد کے بعد وہ تالاب سے نکلے۔ اِدھر مشین سے نکلنے والی آوازیں بند ہو گئیں۔ وہ پُتلا یعنی مصنوعی چور دھڑام سے فرش پر گرا اور اس کے ساتھ ہی الارم یعنی خطرے کی گھنٹی بہت زور زور سے بجنے لگی۔ ڈاکٹر نے کہا، "گھنٹی بجنے کا مطلب یہ ہے کہ مشین نے چور کو پکڑ لیا ہے۔" انھوں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ مصنوعی چور یعنی گاؤ تکیہ ایک بوری میں بند، رسیوں سے جکڑا

ہوا پڑا ہے۔"

ڈاکٹر مزیجی نے رسیاں کھول کر گاؤ تکیے اور کوٹ کو نکالا۔ پھر مشین میں دوبارہ چابی بھری۔ وہ چور کو پکڑنے کا دل چسپ منظر دوبارہ دیکھنا چاہتے تھے۔ پہلے جب یہ ڈراما ہو رہا تھا تو وہ اسے پوری طرح سے نہیں دیکھ سکے تھے۔

عین اسی وقت ڈاکٹر مزیجی کے پرانے دوست کرنل جی دار خان نے باہر سے آواز دی، "ہیلو۔ کیا ڈاکٹر مزیجی گھر پر تشریف رکھتے ہیں؟"

کرنل کی پاٹ دار آواز سے در و دیوار لرز اُٹھے۔ ڈاکٹر نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور کہا، "ارے کیا مصیبت آگئی ہے؟"

کرنل خوش ہو کر بولا، "آہا ہا ہا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم گھر پر ہی مل گئے۔ جلدی سے نیچے آؤ بھائی، ایک بہت شان دار فلم آئی ہوئی ہے۔ ہڑبونگ عرف کنگ کانگ کی واپسی۔ دیکھو، اب انکار مت کرنا ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔"

پولیس کے سپاہیوں نے رسیاں کھول کر چور کو باہر نکالا۔

ڈاکٹر مریخی کو کرنل کی یہ بات ماننا ہی پڑی۔ ورنہ جی دار اسے زبردستی اُٹھا کر فلم دکھانے لے جاتا۔

بیگم نے گھر کا سب کام کاج ختم کر لیا۔ روٹی اور سالن بھی پکا لیا۔ چائے بھی بنا ڈالی، لیکن ڈاکٹر مریخی نہیں لوٹے۔ اب تو اسے بہت تشویش ہوئی۔ وہ سوچنے لگی کہ آج کیا بات ہو گئی ہے؟ انھیں تو اب واپس آجانا چاہیے تھا۔"

ٹھیک اسی وقت چور پکڑنے والی مشین کا الارم بجنے لگا ٹن ٹن ٹن۔ ٹرررررر۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ مشین نے پھر کوئی چور پکڑ لیا ہے۔

بیگم بدحواس ہو کر بولی، "ارے یہ کیا مصیبت آگئی؟ اس کم بخت چور کو بھی اسی وقت گھر میں داخل ہونا تھا۔"

وہ جلدی سے ایک ہاتھ میں چمٹا اور دوسرے میں بیلن لے کر چور کو مارنے کے لیے دوڑی۔ جب بیگم مریخی باورچی خانے میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ چور باورچی خانے میں بند ہے اور اچھی طرح بندھا جکڑا ہوا پڑا ہے۔ یہ دیکھ کر بیگم مریخی کو بہت مسرت ہوئی۔

اُس نے تڑاتڑ۔ تڑاتڑ دو تین چمٹے رسید کیے اور چور سے بولی، "کم بختی مارے نے گھر ہی دیکھ لیا ہے۔ ایک دفعہ گھر میں جھاڑو پھیر کر بھی چین نہیں آیا۔ نامراد، کم بخت۔ آج میں تمھیں ایسا سبق دوں گی کہ تم پھر کبھی اِدھر کا رُخ نہیں کرو گے۔"

یہ کہہ کر بیگم مریخی نے چور کی اچھی طرح پٹائی کی۔ چور اس بُری طرح بندھا جکڑا ہوا تھا کہ اس کے لیے ہلنا جُلنا تک مشکل تھا۔ اس کے بعد بیگم مریخی کرنل جی دار خان کے گھر پہنچی اور اسے بتایا کہ ڈاکٹر ابھی تک گھر نہیں پہنچا۔

کرنل جی دار نے بہت زور کا قہقہہ لگایا اور کہا، "کوئی فکر نہ کرو بھابھی۔ ڈاکٹر بہت بھُول بھلکڑ شخص ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی جگہ کھڑا ہوا سوچ رہا ہو گا کہ پہلے انڈا پیدا ہوا تھا یا مرغی؟"

بیگم مریخی نے چور کے گھر میں گھسنے اور چور پکڑنے والی مشین سے اس کی گرفتاری کا حال بیان کیا۔

کرنل جی دار نے مشورہ دیا، "ہمیں چور کو پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے۔"

رات کے وقت کرائے کی گاڑی حاصل کرنا بھی مشکل ہوتا ہے ۔اس لیے وہ صبح تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے رہے۔ صبح کے وقت وہ چور کو ایک گاڑی میں لاد کر پولیس اسٹیشن لے گئے۔ تھانے دار نے بہت پُرجوش طریقے سے ان کا استقبال کیا۔ وہ خوش ہو کر بولا، "مبارک ہو جی۔ وہ چور پکڑا گیا جس نے دو دن پہلے چوری کی تھی۔ ہم نے اس سے ایک ایک چیز واپس لے لی ہے۔"

ایک پولیس والے نے رسیاں کھول کر چور کو بوری سے باہر نکالا۔ اس کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔

تھانے دار نے چلّا کر کہا، "اوے، کیا نام ہے تیرا؟"

لیکن چور اتنا بدحواس ہو رہا تھا کہ بہت دیر تک کچھ نہ کہہ سکا۔

بیگم مریخی نے غور سے چور کی طرف دیکھا اور بولی، "مجھے تو یہ کچھ کچھ مریخی ساد کھائی دیتا ہے۔" کرنل بولا، "اوہ میرے خدا، یہ ڈاکٹر ہی تو ہے۔ بندۂ خدا تم اس بوری میں کیسے آئے اور وہ چور جو بوری میں بند تھا، کہاں گیا؟"

ڈاکٹر مریخی نے کھٹاک سے ایک چشمہ آنکھوں پر لگایا۔ پھر اسے اُتار کر دوسرا لگایا۔ شاید وہ چشمہ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ اس لیے اس نے تیسرا چشمہ لگایا اور گھور کر کرنل کی طرف دیکھا اور کہا، "جسے تم لوگ چور سمجھے بیٹھے ہو وہ میں خود تھا۔ اصل میں میں سامنے کے دروازے کی چابی گھر میں ہی بھول آیا تھا۔ میں سینما دیکھ کر واپس لوٹا تو میں نے باورچی خانے کی کھڑکی کو کُھلا ہوا دیکھا۔ میں اسی کھڑکی سے باورچی خانے میں کُود گیا۔ میں یہ بالکل ہی بھول گیا تھا کہ میں نے وہاں چور پکڑنے کی مشین لگا رکھی ہے۔ جیسے ہی میں اندر پہنچا، کھٹاک سے موگری میرے سر پر گری۔ میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں رہا کہ مجھ پر کیا گزری؟

کرنل نے ایک زور دار قہقہہ لگا کر کہا، "ہا ہا ہاہ۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ آپ اپنے جال میں صیّاد آ گیا۔"

لفظوں کا جگ سا ——— حل

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

(اقبال)

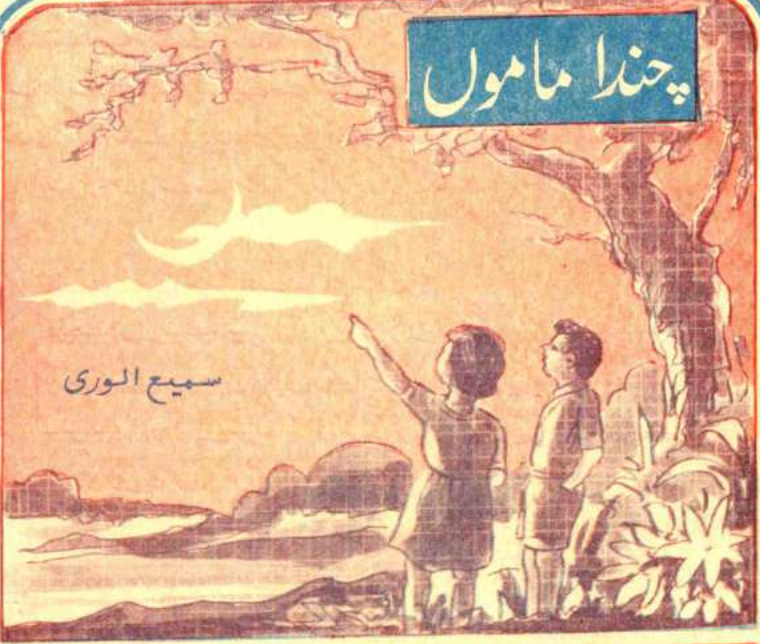

چندا ماموں

سمیع الوری

نکلے جب یہ روشن روشن　　تاریکی کا ہے یہ دشمن
پانی میں نیچے آ جائے　　پکڑو تو ڈُبکی کھا جائے
سیر یہ راتوں کو کرتا ہے　　دن کو سورج سے ڈرتا ہے
تارے اس کے ہیں ہم جولی　　ان سے کھیلے آنکھ مچولی

لیکن جب یہ گہناتا ہے
کالا پھر کیوں پڑ جاتا ہے

بھنگے میاں

سیّد غلام جیلانی

ایک بار کا ذکر ہے کہ کسی شہر میں ایک سپاہی رہتا تھا۔ گھر میں اس کی بیوی تھی اور ایک بیٹا۔ کسی طرح گزر بسر ہو رہی تھی۔ پھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ شہر میں وبا پھیلی اور سپاہی کا انتقال ہو گیا۔

سپاہی کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ اور یتیم بیٹے پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ماں بیٹے پر فاقوں کی نوبت آگئی۔ آخر ایک روز تنگ آکر بیٹے نے ماں سے کہا:

"امّی، اب یہ مصیبت برداشت نہیں ہوتی۔ آپ ایسا کریں کہ مجھے کہیں سے چار رُپے دیں تاکہ میں شہر سے باہر دُور جاکر قسمت آزماؤں۔"

ماں نے یہ سُن کر ایک سردِ آہ بھری اور بولی، "بیٹا، گھر میں روٹی پکانے کے لیے آٹا تک تو ہے نہیں میں تیرے لیے چار رُپے کہاں سے لاؤں؟"

"امّی۔ وہ جو کونے میں کھونٹی سے ابّا مرحوم کا ایک پرانا کوٹ لٹک رہا ہے ذرا اس کی جیبیں تو ٹٹولیں۔ شاید کچھ مل جائے۔" بیٹا بولا۔

بیٹے کی بات سُن کر ماں نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو واقعی اس میں رُپے تھے۔ ایک دو نہیں پورے چھے رُپے۔ بیٹے نے رُپے دیکھ کر زور دار قہقہہ لگایا اور بولا، "امّی، یہ تو میری ضرورت سے بھی زیادہ نکلے۔ اب آپ دو رُپے لے کر اپنے لیے روٹی کا انتظام کریں اور مجھے اجازت دیں کہ باقی چار رُپے لے کر میں اپنی قسمت آزمانے کے لیے نکل جاؤں۔"

ماں نے جب دیکھا کہ بیٹا بہ ضد ہے تو دعائیں دے کر رخصت کیا۔

گھر سے نکل کر سپاہی کا بیٹا ایک طرف کو چل نکلا۔ اس کی کوئی منزلِ مقرر تو تھی نہیں بس یونہی تن بہ تقدیر چلا جا رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ شہر سے بہت دُور نکل گیا، حتیٰ کہ جنگل شروع ہو گیا۔ جنگل میں داخل ہوتے وقت اس نے کچھ عجیب سی کراہنے کی آواز سنی جو انسان اور جانور

سپاہی کے بیٹے نے اپنی ماں سے کہا، "مجھے کہیں سے چار رُپے لا دیں۔"

کی ملی جُلی آواز معلوم ہوتی تھی۔ وہ آواز کی طرف چل کھڑا ہوا۔ قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک شیرنی لیٹی ہوئی ہے اور کراہ رہی ہے۔

سپاہی کا بیٹا خوف زدہ ہو کر بھاگنے کے لیے پلٹا تو شیرنی نے نہایت لجاجت سے کہا، "لڑکے، ڈرو مت۔ میرے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہے جس کی وجہ سے میں بہت بے چین ہوں۔ اسے نکال دو تو تمھارا احسان مانوں گی۔"

سپاہی کا بیٹا بولا، "نا بابا، مجھ سے یہ نہیں ہو گا۔ میں جب کانٹا نکالنے لگوں گا تو تمھیں تکلیف ہو گی اور تم نے کہیں مجھے ایک تھپڑ رسید کیا تو میری ہڈی پسلی کا بھی پتا نہیں چلے گا۔"

شیرنی بولی، "نہیں نہیں، ایسا نہیں ہو گا۔ میں درخت کی طرف منھ کیے رہوں گی جب تم کانٹا نکالو گے۔ اگر تکلیف ہوئی تو میں درخت پر پنجہ ماروں گی۔"

شیرنی کی اس بات سے مطمئن ہو کر سپاہی کا بیٹا آگے بڑھا اور شیرنی کا پاؤں اپنے ہاتھ میں لے کر دوسرے ہاتھ سے کانٹا نکالنے لگا۔ جیسے ہی اس نے کانٹا زور سے کھینچا شیرنی کو سخت تکلیف ہوئی۔ وہ درد سے بے تاب ہو کر زور سے گرجی اور ایک پنجہ درخت پر اتنے

زور سے مارا کہ درخت کے پرخچے اُڑ گئے۔ سپاہی کے بیٹے کے تو یہ دیکھ کر ہوش و حواس گم ہو گئے۔ وہ کانٹا نکال کر خوف سے کانپ رہا تھا۔ شیرنی یہ دیکھ کر مسکرائی۔ اب اسے سکون مل رہا تھا۔ اس نے سپاہی کے بیٹے کا شکریہ ادا کیا اور ایک چھوٹی سی صندوقچی اسے دیتے ہوئے بولی،

"بیٹے، میری طرف سے یہ صندوقچی انعام کے طور پر قبول کرو، مگر نو کوس کا سفر طے کرنے سے پہلے اسے نہ کھولنا۔"

سپاہی کے بیٹے نے صندوقچی لے کر شیرنی کا شکریہ ادا کیا اور رخصت ہو کر آگے روانہ ہو گیا۔ پانچ کوس سفر طے کرنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ صندوقچی کا وزن پہلے سے زیادہ ہو گیا ہے۔ جب شیرنی نے اسے صندوقچی دی تھی اس وقت وہ بہت ہلکی تھی۔ اب اس نے غور کرنا شروع کیا تو کیا دیکھتا ہے کہ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا جاتا ہے صندوقچی بھی زیادہ بھاری ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ تقریباً سوا آٹھ کوس چلنے کے بعد اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ دم لینے کے لیے رُک گیا۔

اس نے دل میں سوچا شاید وہ شیرنی کوئی جادوگرنی یا چڑیل تھی جس نے مجھے تنگ کرنے کے لیے یہ صندوقچی دی تھی۔ خیر اب یہ مذاق ختم ہونا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ صندوقچی سے مخاطب ہو کر بولا "نہ جانے تیرے اندر کیا ہے۔ بہر کیف میں تو باز آیا۔" اور یہ کہتے ہوئے اس نے صندوقچی کو زمین پر پٹخ دیا۔

زمین پر گرنے کی وجہ سے صندوقچی کا ڈھکنا کھل گیا تھا۔ اس کے اندر سے ایک ننھا سا بوڑھا شخص نکلا جس کا قد ایک بالشت تھا، مگر داڑھی سوا بالشت کی تھی اور زمین پر گھسٹتی تھی۔ بڈّھا بہت غصّے میں معلوم ہوتا تھا۔ گرنے کی وجہ سے اسے چوٹ آئی تھی اور اسے شکایت تھی کہ اسے اتنے زور سے کیوں اُتارا گیا۔

سپاہی کے بیٹے کو یہ منظر دیکھ کر بڑا اچنبھا ہوا۔ کچھ دیر تو وہ خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اسے اپنی خوشی پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ آخر وہ ہونے سے بولا:

"واقعی اپنے جسم کی نسبت سے آپ کچھ زیادہ ہی بھاری ہیں۔ آپ کا نام کیا ہے؟"

"پھُنگے میاں"، سوا بالشتیا غصّے سے پاؤں پٹختا ہوا بولا۔

سپاہی کے بیٹے نے کہا" واللہ! اگر صندوقچی میں آپ ہی تھے تو ہیں نے اچھا ہی کیا کہ اس وزن کو ڈھو کر اور زیادہ دُور لے جانے کے بجائے یہیں چھٹکارا حاصل کر لیا۔"

"ایسی گفتگو تہذیب کے خلاف ہے۔" بُھنگے میاں نے جواب دیا۔" کیا معلوم اگر آپ پورے نو کوس چلنے کے بعد صندوقچی کھولتے تو شاید کوئی اچھی چیز برآمد ہوتی۔ بہر حال اپنی مالکہ کے حکم کے مطابق میں آپ کی ہر خدمت کے لیے تیار ہوں اور شاید آپ کی ضروریات کے لیے میری خدمات ہی کافی ہوں گی۔"

سپاہی کا بیٹا مسکراتے ہوئے بولا" آپ اور میری خدمت کریں گے۔ سبحان اللہ! خیر اس وقت تو بھوک سے میری حالت خراب ہو رہی ہے۔ اگر کچھ کر سکتے ہیں تو سب سے پہلے میرے لیے کچھ کھانا لائیے۔ یہ چار رُپے ہیں۔"

رُپے لیتے ہی بُھنگے میاں بھن بھن کرتے ہوئے ہوا میں اُڑے اور تھوڑی دیر میں نظروں سے غائب ہو گئے۔ اُڑتے اُڑتے وہ قریب کے شہر میں ایک حلوائی کی دُکان میں اُترے اور حلوائی کے کڑھاؤ کے قریب کھڑے ہو کر چیخ چیخ کر پکارنے لگے:

"حلوائی، حلوائی، مجھے مٹھائیاں چاہییں۔"

حلوائی نے دُکان میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ نیچے اوپر دیکھا۔ سڑک کی طرف جھانکا۔ کہیں کوئی نظر نہیں آیا۔ اِدھر بھنگے میاں زور زور سے چیخ کر مٹھائی کے لیے تقاضا کر رہے تھے۔ آخر جب کسی طرح حلوائی ان سے مخاطب نہیں ہوا تو بُھنگے میاں نے حلوائی کی ٹانگوں میں چٹکیاں بھرنی شروع کیں اور اس کے پاؤں پر ایک ٹھوکر رسید کرتے ہوئے ڈانٹ کر بولے،

"بدتمیز شخص، کیا تم کہنا چاہتے ہو کہ تم نے مجھے دیکھا نہیں حال آنکہ میں اس وقت سے تمھارے کڑھاؤ کے پاس کھڑا ہوا تمھیں پکار رہا ہوں؟"

بھنگے میاں کو دیکھ کر حلوائی مسکرایا اور معذرت کرتے ہوئے دُکان کے اندر جا کر رنگ برنگ کی بہت ساری مٹھائیاں نکال لایا۔ بھنگے میاں نے ان میں سے چند بہترین مٹھائیاں تقریباً ایک من چُن لیں اور حلوائی سے بولے:

"چلو جلدی کرو۔ انھیں کسی ٹوکرے میں ڈال کر پیک کر دو۔"

"مگر یہ تو کافی وزن ہو گا۔" حلوائی مسکراتے ہوئے بولا۔

"تمھیں اس سے مطلب؟ تمھیں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ کرو۔ یہ رہے تمھارے پیسے۔" اور یہ کہہ کر بھنگے میاں نے جیب میں رُپے کھنکھنائے۔

"جیسی آپ کی مرضی۔" حلوائی بولا اور مٹھائیوں کو ایک بڑے سے ٹوکرے میں رکھ کر اچھی طرح باندھ دیا۔ جب ٹوکرا تیار ہو گیا تو بھنگے میاں نے ہاتھ بڑھایا اور کہا، "ٹوکرا میرے ہاتھ پر رکھ دو۔"

حلوائی سمجھ رہا تھا کہ یہ سب کچھ مذاق ہے۔ اس نے ٹوکرا سوا بالشتیے بڈّھے کے ننّھے سے ہاتھ پر رکھ دیا، مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ ٹوکرا ہاتھ پر رکھتے ہی وہی ننّھا سا بڈّھا شخص ٹوکرے سمیت ایک زور دار بھنبھناہٹ کی آواز کے ساتھ ہوا میں بلند ہو کر نظروں سے غائب ہو گیا اور اسے قیمت بھی نہیں دی۔

بھنگے میاں وہاں سے اُڑ کر ایک کریانے کی دُکان پر اُترے اور ایک آٹے کی بوری کے

صندوقچی کے پٹخنے ہی اس کے اندر سے ایک بوڑھا بالشتیا نکلا۔

قریب کھڑے ہو کر آواز لگائی:

"میاں دُکان دار، مجھے آٹا چاہیے۔"

آواز سُن کر دُکان دار نے دائیں بائیں، اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ دُکان کے اندر اور آس پاس کسی کو نہ پا کر کھڑکی سے سڑک کی طرف جھانکا، مگر کوئی آٹے کا گاہک اسے نظر نہ آیا۔ ادھر بھنگے میاں آٹے کے بورے کے پاس کھڑے تھے۔ ان کی داڑھی زمین پر گھسٹ رہی تھی۔ آخر بھنگے میاں کو طیش آ گیا اور انھوں نے دُکان دار کی ٹانگوں میں کاٹنا، نوچنا اور ٹھوکریں مارنی شروع کر دیں اور بولے، "بدتمیز آدمی، کیا تم کہنا چاہتے ہو کہ میں تمھارے آٹے کے بورے کے پاس نہیں کھڑا ہوا تمھیں آوازیں دے رہا ہوں اور تم مجھے دیکھ نہیں سکے!"

دُکان دار نے بھنگے میاں کو دیکھا تو اسے بہت ہنسی آئی، مگر وہ معذرت کرتے ہوئے ہوئے بولا، "محترم، مجھ سے غلطی ہوئی۔ اچھا بتائیں آپ کو کتنا آٹا چاہیے۔"

بھنگے میاں نے کہا، "دو من، پورے دو من۔ نہ کم نہ زیادہ اور اسے کسی بوری میں باندھ کر مجھے دے دو اور ہاں ذرا جلدی کرنا۔ یوں ہی تم نے بہت دیر لگا دی ہے۔"

دُکان دار بولا، "آپ کے ساتھ کوئی گاڑی یا بار برداری کا جانور تو ہوگا، کیوں کہ دو من کافی وزن ہوتا ہے۔"

"تمھیں اس سے غرض؟" بھنگے میاں جھنجلا کر بولے، "تم پیسے لو اور سودا دو۔" اور یہ کہہ کر بھنگے میاں نے بھروہی چار رُپے جیب میں کھنکھنانے شروع کیے۔ دُکان دار نے آٹا بوری میں باندھ دیا تو بھنگے میاں نے ہاتھ پھیلا دیا۔ دُکان دار نے ان کے ننھے سے ہاتھ پر بوری رکھی ہی تھی کہ بھن بھن کی آواز پیدا ہوئی اور دُکان دار کی پھٹی پھٹی آنکھوں کے سامنے ایک سوا بالشت کا بڈھا بوری سمیت ہوا میں بلند ہو کر غائب ہو گیا۔ دُکان دار کے ہوش جب ٹھکانے آئے تو اسے یاد آیا کہ بونے نے قیمت بھی ادا نہیں کی۔

اِدھر سپاہی کا بیٹا بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے ننھے سے ملازم کو کیا ہو گیا کہ یکایک ہوا میں بھن بھن کی آواز آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے بھنگے میاں مٹھائی کا ایک ٹوکرا اور آٹے کی ایک بوری لے کر اُترے۔

زمین پر اُترتے ہی بھنگے میاں نے جیب سے رومال نکالا اور پیشانی سے پسینا پونچھتے ہوئے بولے، "لیجیے، میں تھوڑا سا کھانے کا سامان لایا ہوں۔ معلوم نہیں یہ آپ کے لیے کافی ہو گا یا نہیں، کیوں کہ آپ انسان لوگ تو بڑے پیٹ والے ہوتے ہیں۔"

"میرے خیال میں تو یہ میری ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔" سپاہی کا بیٹا مٹھائی کے ٹوکرے اور آٹے کی بوری کو دیکھ کر ہنستے ہوئے بولا۔

"ذرا دیر اور صبر کریں تاکہ میں روٹیاں پکا لوں۔" بھنگے میاں نے کہا اور روٹیاں پکانے لگے۔ انھوں نے پلک جھپکتے ہی آٹا گوندھا۔ آگ جلائی اور موٹی موٹی روٹیاں سینک ڈالیں۔ جب روٹیاں پک گئیں تو مالک اور نوکر دونوں کھانے بیٹھے۔ سپاہی کے بیٹے نے تین روٹیاں اور تھوڑی سی مٹھائی کھائی کہ اس کا پیٹ بھر گیا، مگر اُدھر بونا ساری مٹھائی اور روٹیاں چٹ کر گیا۔ وہ کھاتا جاتا اور بولتا جاتا، "سچ سچ، انسان بہت بیٹو ہوتے ہیں۔"

کھانا کھا کر ذرا دیر سستانے کے بعد سپاہی کا بیٹا اور بھنگے میاں آگے روانہ ہو گئے۔ راستے میں بھنگے میاں اسی طرح اپنے مالک کے کھانے پینے کا خیال رکھتے۔ اسی طرح وہ کئی ماہ سفر کرنے کے بعد آخر ایک شہر میں پہنچے۔

اس شہر کے بادشاہ کی ایک بیٹی تھی۔ نازنین، نازک، ماہ رُو، خوش مزاج۔ اس کا نام تھا پھول شہزادی۔ روز سونے کے ایک ترازو میں اسے تولا جاتا۔ ایک پلڑے میں شہزادی بیٹھتی، دوسرے میں گلاب کے پانچ پھول رکھے جاتے اور اس کا وزن ٹھیک پانچ پھولوں کے برابر ہوتا، نہ کم نہ زیادہ۔

ایک دن شہزادی کہیں سیر کو جا رہی تھی کہ سپاہی کے بیٹے کی دُور سے اس پر نظر پڑ گئی۔ اس نے کبھی اتنی حسین لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بجلی کوند گئی ہو اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو شہزادی کی تصویر اس کے ذہن پر چھائی ہوئی تھی۔ اب وہ شہزادی کی یاد میں بے چین سا رہنے لگا۔ ہزار کوشش کی، مگر کسی طرح دل بہلتا ہی نہ تھا۔ یہاں تک کہ اس نے کھانا پینا بھی بند کر دیا۔ بھنگے میاں ہزار سمجھائیں، مگر وہ کہتا، "کیا کروں، مجھے بھوک ہی نہیں لگتی۔" راتوں کو جاگتا اور سرد آہیں بھرتا رہتا۔

آخر ایک روز سپاہی کے بیٹے نے سوچا، "کیوں نہ بھنگے میاں سے مدد لی جائے۔" یہ سوچ

کر اس نے بڑی لجاجت سے کہنا شروع کیا، "بھُنگے میاں، میرے اچھے سے بھنگے میاں، میرا ایک کام کر دو تو تمھارا بڑا احسان مانوں گا۔"

"کیا کام ہے بتائیے۔ میں تو آپ کا خادم ہوں۔" بھنگے میاں بولے۔

"بھنگے میاں، تم مجھے پھول شہزادی کے پاس پہنچا دو۔" سپاہی کے بیٹے نے جلدی سے کہا۔

بھنگے میاں نے حیرت سے اپنی ننھی ننھی بھنویں اوپر کو اُٹھائیں اور پیشانی پر شکنیں ڈالتے ہوئے بولے، "میں اور آپ کو لے جاؤں! کہاں میں اتنا چھوٹا سا اور کہاں آپ اتنے بھاری بھرکم۔ کیا اچھا ہوتا اگر آپ ہی مجھے اُٹھا کر لے جاتے۔"

سپاہی زادے نے منّت کرتے ہوئے کہا، "جو بھی ہو تمھیں یہ کام کرنا ہی پڑے گا، کیوں کہ میں اب شہزادی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

بھنگے میاں تھے نرم دل۔ جب انھوں نے دیکھا کہ سپاہی کا بیٹا کسی طرح نہیں مانتا تو وہ راضی ہو گئے اور بولے، "اچھا آپ میری ہتھیلی پر کھڑے ہو جائیے۔"

سپاہی کے بیٹے کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اتنی ننھی سی ہتھیلی پر وہ کیسے کھڑا ہو سکتا ہے۔ اسے ہنسی آرہی تھی۔ پھر بھی اس کا دل خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور ننھّی ہتھیلی پر کھڑا ہو گیا۔

بھن بھن بھنن۔ بڑے زور سے آواز پیدا ہوئی اور یک بہ یک سپاہی کے بیٹے نے محسوس کیا کہ وہ ہوا میں بلند ہو رہا ہے اور پلک جھپکتے ہی اس نے خود کو ایک بڑے سے کمرے میں پایا۔ کمرا بڑی خوب صورتی سے سجا ہوا تھا۔ بھینی بھینی خوش بُو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

رات کا وقت تھا۔ کمرے میں ایک دھیمی روشنی جل رہی تھی۔ کمرے کے وسط میں ایک بڑا سا چھپر کھٹ تھا۔ جواہرات سے مرصع گنگا جمنی پائے۔ باریک ریشمی پردہ پڑا ہوا۔ پردے کے اندر پھول شہزادی محوِ خواب تھی۔ کمرے کی مدھم روشنی میں اس کا حُسن اور نکھر گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چاند زمین پر اُتر آیا ہو۔

سپاہی کے بیٹے کو اب اندازہ ہوا کہ وہ پھول شہزادی کی خواب گاہ میں ہے۔ وہ ششدر رہ گیا۔ کچھ دیر تو سکتے کے عالم میں وہ شہزادی کو دُور سے دیکھتا رہا۔ آخر جب ہوش و حواس درست ہوئے تو آہستہ آہستہ دبے پاؤں شہزادی کے چھپر کھٹ کی طرف آگے بڑھا۔ اس کا سانس

زور زور سے چل رہا تھا۔
اس کے تیز سانس کی آواز سُن کر شہزادی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ چونک کر اُٹھ بیٹھی اور قریب تھا کہ اس کی چیخ نکل جائے۔ یہ دیکھ کر سپاہی زادہ ہاتھ جوڑ کر اس کے چھپر کھٹ کے پاس گھٹنوں کے بل کھڑا ہو گیا اور بڑی لجاجت سے بولا" شہزادی صاحبہ، خوف نہ کھائیں۔ میں ایک شریف لڑکا ہوں۔ آپ کو دُور سے دیکھا تھا۔ اس وقت سے آپ سے ملاقات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ بارے میری اُمید بر آئی۔"
سپاہی زادے کی باتیں سُن کر شہزادی کو تسلّی ہوئی۔ پھر دونوں بیٹھ کر اپنا اپنا حال سنانے لگے اور بھنگے میاں ایک کُرسی کے پیچھے کھڑے ہو کر پہرہ دینے لگے۔
شہزادی اور سپاہی کے بیٹے کو باتیں کرتے کرتے نیند آگئی۔ یہاں تک کہ آسمان پر صبح کی سفیدی نمودار ہونے لگی۔ اب بھنگے میاں نے سوچا کہ اگر کوئی آگیا تو سپاہی زادہ مصیبت میں پھنس جائے گا اور اگر جگاتا ہوں تو وہ خفا ہو گا۔ آخر انھیں ایک ترکیب سوجھی۔
"کیوں نہ دونوں کو وہاں سے کہیں دُور لے جایا جائے۔" یہ فیصلہ کرتے ہی بھنگے میاں نے اپنا ہاتھ چھپر کھٹ کے نیچے رکھا اور ایک بھن بھن کی آواز کے ساتھ ہوا میں بلند ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد شہر کے باہر ایک باغ میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے آہستہ سے چھپر کھٹ کو اُتار دیا۔ باغ کے چاروں طرف ایک اونچی دیوار تھی اور ایک پھاٹک تھا۔ بھنگے میاں نے ایک درخت اُکھاڑا اور کندھے پر رکھ کر پھاٹک کے باہر پہرہ دینے لگے۔
اُدھر شہر میں شہزادی کے غائب ہو جانے کی خبر سے کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ ہر طرف تلاش ہو رہی تھی۔ شہر کا کوتوال جو ایک آنکھ کا کانا تھا وہ بھی انعام کے لالچ میں تلاش میں مصروف تھا۔ آخر تلاش کرتے کرتے وہ باغ کے قریب آنکلا اور اندر جانے کے لیے بڑھا۔ اسے آتے دیکھ کر بھنگے میاں نے درخت کے پیچھے سے آواز لگائی:
"خبردار! کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟"
کوتوال نے کڑک کر جواب دیا، "میں شہر کا کوتوال ہوں اور باغ کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔ مجھے شبہ ہے کہ بھول شہزادی یہاں چھپائی گئی ہے۔"
کوتوال چاروں طرف دیکھ رہا تھا، مگر بونے میاں درخت کے تنے سے چھپے ہوئے تھے اسے

نظر ہی نہیں آ رہے تھے۔

بونے بھنگے میاں نے ڈانٹ کر کہا، "ٹھیر جاؤ، میں ابھی تمھیں پھول شہزادی بناتا ہوں۔" اور یہ کہہ کر درخت سے کوتوال کے گھوڑے کو مارنا شروع کر دیا۔ گھوڑا مار کھا کر بِدکا اور سرپٹ بھاگنے لگا۔ کوتوال بھی گھبرایا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ اس نے بادشاہ کو سارا واقعہ کہہ سُنایا اور کہا کہ وہاں ایک درخت ہے جو جنگ کرتا ہے۔

کوتوال سے معاملے کی تفصیل سُن کر بادشاہ نے فوج کا ایک دستہ باغ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا، مگر اِدھر بھنگے میاں بھی مستعد تھے۔ انھوں نے درخت سے مار مار کر فوج کا کچومر نکال ڈالا۔ آدھے سپاہی مارے گئے۔ باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔

ان کے جانے کے بعد بھنگے میاں سپاہی زادے اور شہزادی کو اُٹھا کر دوسرے شہر لے گئے۔ اب شہزادی بھی سپاہی زادے سے مانوس ہو گئی تھی۔ دونوں ہر وقت ساتھ رہتے۔ سیر کرتے اور طرح طرح کی کہانیاں ایک دوسرے کو سُنا کر دل بہلاتے۔ کھانے پینے کا انتظام بھنگے میاں کرتے۔

آخر ایک دن سپاہی زادے نے بُھنگے میاں سے کہا:

"بھنگے میاں، آپ نے میرا بڑا ساتھ دیا۔ بہت خدمت کی۔ میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گا، مگر اب میں سوچتا ہوں کہ کماؤں کھاؤں۔ اب آپ واپس اپنی مالکہ کے پاس جائیں اور انھیں بھی میرا شکریہ پہنچا دیں۔ اب میں خود اپنی خبر گیری کر سکتا ہوں۔"

بھنگے میاں بولے، "نوجوان لوگ یوں ہی اپنے بارے میں سوچا کرتے ہیں۔ خیر جیسی آپ کی مرضی، مگر یہ ایک بال حفاظت سے رکھ لیجیے۔ اگر کسی وقت کوئی مشکل در پیش ہو تو اسے آگ میں ڈال دیں۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔" یہ کہہ کر بونے نے اپنی سوا بالشت کی داڑھی میں سے ایک بال توڑا اور سپاہی زادے کو دے کر بولا، "خدا حافظ!"

ساتھ ہی ایک بھنبھناہٹ کی آواز ہوئی اور بھنگے میاں نظروں سے غائب ہو گئے۔

بھنگے میاں کے جانے کے بعد سپاہی زادہ اور شہزادی کچھ دِنوں اِدھر اُدھر سیر کرتے رہے۔ آخر ایک بار وہ راستہ بھول کر ایک جنگل میں پھنس گئے۔ بہت ڈھونڈا کہیں کوئی راستہ نہ ملا۔ اب انھیں بھوک پیاس بہت پریشان کر رہی تھی۔ شہزادی تو بالکل ہی نڈھال ہو گئی تھی۔

اتنے میں ان کی نظر ایک بوڑھے جوگی پر پڑی۔ جوگی کو دیکھ کر سپاہی زادے کو بہت اطمینان

ہوا اور وہ تیزی سے جوگی کے قریب آیا اور بولا:

"جوگی میاں، ہم بہت بھوکے پیاسے ہیں۔ راستہ بھی بھول گئے ہیں۔ ہماری مدد کیجیے۔"

جوگی پیار بھری آواز میں بولا "گھبراؤ نہیں بیٹے، یہیں قریب ہی میرا گھر ہے۔ وہاں چلو۔ کھاؤ پیو، آرام کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لڑکی بہت تھکی ہوئی ہے۔"

سپاہی زادہ اور پھول شہزادی خوشی خوشی جوگی کے ساتھ چلے۔ جوگی نے گھر پہنچ کر دروازہ کھولا مٹّی کی دیواروں اور مٹّی کی چھت کا ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ جوگی نے سپاہی زادے کو کنجیوں کا ایک گچھّا دیا اور بولا:

"اس گھر میں سات الماریاں ہیں۔ سب کھول سکتے ہو، مگر سونے کے تالے اور سونے کی چابی والی الماری ہرگز نہ کھولنا۔ گھر میں کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ کھانا پکاؤ کھاؤ۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آؤں گا۔"

یہ کہہ کر جوگی چلا گیا۔

جوگی کے جانے کے بعد ایک ایک کر کے سب الماریاں سپاہی کے بیٹے نے کھولنا شروع کیں اس کے تعجب کی حد نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ کسی میں سونا چاندی ہے، کسی میں ہیرے جواہرات، کسی میں قیمتی زیورات، کسی میں قیمتی کپڑے۔ ادھر شہزادی کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ جب سپاہی زادہ چھے الماریاں کھول چکا تو ساتویں الماری کھولنے کی خواہش اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگی۔ اس نے ہمّت کی اور سونے کی کنجی سے سونے کا تالا کھول دیا۔

مگر الماری کے اندر نظر پڑتے ہی وہ چیخ اُٹھا "یا خدایا، یہ کیا!" اس نے گھبرا کر شہزادی کو آواز دی۔ شہزادی کا بھی دیکھ کر منھ کُھلا کا کُھلا رہ گیا۔ الماری انسانی کھوپڑیوں سے بھری پڑی تھی۔

اب وہ سمجھے کہ وہ کسی جوگی کے نہیں بلکہ ایک آدم خور بھوت کے مہمان ہیں۔ گھبراہٹ سے دونوں کا بُرا حال تھا۔ خوف سے پسینے چھوٹ رہے تھے کہ اتنے میں باہر سے کسی کے آنے کی آہٹ سنائی دی۔

آدم خور واپس آ گیا تھا۔ وہ گھر میں داخل ہو رہا تھا۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ ان دونوں کے قریب پہنچے شہزادی نے بڑی پُھرتی اور ہوشیاری سے

کام لیتے ہوئے سوا بالشتیے بھنگے میاں کی داڑھی کا بال آگ میں ڈال دیا۔ فوراً ہی دُور سے بھن بھن کی آواز آنے لگی۔ آواز تیز ہوتی گئی یہاں تک کہ بہت قریب ہو گئی۔ اب انھیں اطمینان ہو چلا تھا۔

آدم خور سمجھ گیا۔ اس نے فوراً بارش کی شکل اختیار کر لی تاکہ بھنگے میاں کے پَر بھیگ جائیں اور وہ اُڑنے کے قابل نہ رہیں۔ بھنگے نے فوراً آندھی کا روپ دھار کر بارش کو دُور دھکیل دیا۔

اس کوشش میں ناکام ہو کر آدم خور نے خود کو فاختہ بنالیا۔ اُدھر بھنگے میاں باز بن کر اس کا پیچھا کرنے لگے اور اس پر پنجہ مارنا ہی چاہتے تھے کہ بھوت نے خود کو ایک گلاب کے پھول میں بدل لیا اور ایک بادشاہ سلامت کی گود میں گر گیا۔

بادشاہ اس وقت موسیقی سُن رہا تھا۔ بھنگے میاں نے خود کو ایک بوڑھے سازندے کی شکل میں تبدیل کیا اور آہستہ سے ستار نواز کے پاس پہنچ کر اس کے کان میں بولے:

"استاد آپ بہت تھک گئے ہیں۔ ساز مجھے دیجیے۔ ذرا میں بجاؤں۔ آپ سُستا لیں۔"

ستار نواز نے اسے ستار دے دیا۔ بھنگے میاں نے اتنا اچھا ستار بجایا کہ بادشاہ خوش ہو کر بولا: "سازندے میں تمھاری ستار نوازی سے بہت محظوظ ہوا۔ بتاؤ کیا انعام لوگے۔ جو مانگو گے ملے گا۔"

بھنگے میاں کورنش بجا لا کر بولے، "بادشاہ سلامت کا اقبال بلند ہو۔ غلام کو اور کچھ نہیں صرف آپ کی گود میں پڑا ہوا گلاب کا پھول چاہیے۔"

بادشاہ نے جواب دیا، "بس اتنی سی بات سازندے! تم مال و دولت بھی مانگتے تو ملتا۔ یہ پھول اگرچہ خود بہ خود میرے پاس قدرت نے بھیجا ہے، مگر میں تمھیں مایوس نہیں کروں گا۔ یہ لو۔" اور یہ کہہ کر بادشاہ نے پھول بھنگے میاں کی طرف پھینک دیا۔

پھول کا پھینکنا تھا کہ اس کی تمام پتّیاں بکھر گئیں۔

بھنگے میاں جلدی سے آگے بڑھے اور پتّیوں کو اپنے دامن میں جمع کرنے لگے، مگر ایک پتّی چھوٹ گئی اور خود کو چوہے کی شکل میں تبدیل کر کے بھاگی۔

بونے بھنگے میاں نے بھی بجلی کی تیزی کے ساتھ بلّی کی شکل اختیار کی اور اس سے پہلے کہ چوہا کسی بل میں گُھس سکے اسے جا دبوچا اور اس کا کام تمام کر دیا۔

اس طرح پھول شہزادی اور سپاہی زادہ بے چینی سے لڑائی کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کے دل دھڑک رہے تھے کہ اتنے میں چھن چھن چھنن کی آواز آئی۔ دونوں نے اطمینان کی سانس لی۔ بھنگے میاں واپس لوٹ آئے تھے۔ انھوں نے آدم خور سے لڑائی کا سارا ماجرا سُنایا۔ پھر بولے، "آپ لوگ ابھی دنیا میں آزاد گھومنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتے ہیں۔ بہتر ہے کہ اپنے گھر چلیے۔ وہاں آپ کی والدہ آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

سپاہی زادہ فوراً تیار ہو گیا۔ بھنگے میاں نے ایک ہتھیلی پر سپاہی زادے کو بٹھایا۔ دوسری پر پھول شہزادی کو اور چھن چھن کرتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں سپاہی کی بیوہ کے سامنے دونوں کو اُتار دیا۔ بیٹے کو اور اس کے ساتھ ایک چاند سی لڑکی کو دیکھ کر ماں خوشی سے پھُولی نہیں سما رہی تھی۔

یہ لوگ آپس میں خوش خوش باتوں میں مصروف تھے کہ ادھر آواز آئی، "چھن چھن" اور بھنگے میاں ہوا میں غائب ہو گئے اور پھر کبھی نظر نہ آئے۔

سپاہی زادے کی شادی پھول شہزادی سے ہو گئی اور وہ دونوں خوشی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

حکایت مولانا روم

ایک شخص نے ایک صوفی کو چانٹا کھینچ مارا۔ صوفی نے اس کا گریبان پکڑ لیا اور اسے پکڑ کر قاضی کے پاس لے گیا۔ قاضی نے اس شخص سے پوچھا، "تمھارے پاس کچھ نقدی ہے؟"

وہ بولا، "چھے درہم ہیں۔"

قاضی نے کہا، "اچھا، ان میں سے تین درہم صوفی کو دے دو، چلو فیصلہ ہو گیا۔"

اس شخص نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ ایک چانٹا قاضی کے منھ پر بھی جڑ دیا اور چھے درہم کے چھے درہم اس کے سامنے رکھ کر کہا، "تین درہم تم لے لو اور تین درہم صوفی کو دے دو۔"
(مثنوی مولانا روم سے)

مرسلہ: فوزیہ حمید، کراچی

سمرنا کا حاکم

محمد عامر عباسی، کراچی

بہت دنوں کی بات ہے۔ ترکی کے شہر سمرنا میں ایک سوداگر رہتا تھا۔ اس کا بیٹا بڑا ذہین اور ہونہار تھا۔ اُسے لکھنے پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ سوداگر نے بھی اس کی تعلیم میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ بیس سال کی عمر تک لڑکے نے خوب علم حاصل کر لیا اور اس کے علم اور ذہانت کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ بادشاہ تک اس کی تعریف پہنچی تو اس نے اسے دربار میں طلب کیا اور کچھ باتیں پوچھیں۔ اس نوجوان کی باتوں سے بادشاہ اتنا خوش ہوا کہ اسے سمرنا شہر کا حاکم بنا دیا۔

اس زمانے میں سمرنا کے دُکان داروں میں کم تولنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ کسی گاہک کو پورا تول کر نہ دیتے تھے۔ کم وزن کے باٹ استعمال کرتے۔ اس نئے حاکم کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس برائی کو ختم ہونا چاہیے۔ وہ ہر دوسرے تیسرے روز سپاہیوں کو لے کر اچانک کسی دُکان پر پہنچ جاتا اور وزن کے باٹ لے کر اپنے پورے وزن سے باٹ تولتا۔ وزن کم ہوتا تو دُکان دار کو سزا دیتا۔

ایک دن حاکم کے باپ کی دُکان پر اس کے کچھ دوست آئے۔ باتوں باتوں میں باٹوں کا ذکر آیا۔ وہ لوگ کہنے لگے، "ابھی آپ کی دُکان کی باری نہیں آئی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے کم وزن کے باٹ پھینک دیں اور پورے وزن کے باٹ رکھیں۔" سوداگر نے کہا، "بہت اچھا ایسا ہی کروں گا۔" مگر وہ دل میں سوچتا کہ حاکم میرا بیٹا ہے۔ دوسروں کی طرح مجھے نہیں پکڑے گا۔ آخر ایک دن حاکم چند سپاہیوں کو لے کر اپنے باپ کی دُکان پر جا پہنچا اور کہا، "مہربانی فرما کر آپ اپنے باٹ دکھائیں۔" سوداگر اس سوال پر ہنس پڑا۔ حاکم نے دوبارہ باٹ طلب کیے تو سوداگر خاموش کھڑا رہا۔ آخر چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ دُکان میں جا کر باٹ نکالو اور انھیں تولو۔" سپاہیوں نے باٹ تلاش کیے اور تولے تو سب کے سب وزن میں کم نکلے۔ حاکم نے قانون کے مطابق سوداگر کو سو اشرفیاں جرمانہ اور پچاس کوڑوں کی سزا دی۔ جب سوداگر جرمانہ ادا کر چکا اور کوڑے کھا چکا تو حاکم نے سپاہیوں کو بھیج دیا اور گھوڑے سے اُتر کر اپنے باپ کے قدموں میں گر گیا اور کہنے لگا، "ابا جان، آپ نے مجھے پال پوس کر بڑا کیا آپ ہی کی بدولت میں نے تعلیم پائی اور اس عہدے پر ہوں۔ جو کچھ میں نے کیا وہ میرا فرض تھا، لیکن آپ کے بیٹے کی حیثیت سے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔"

سوداگر روتے ہوئے بولا، "بیٹا تم نے آج میری آنکھیں کھول دیں۔ مجھے فخر ہے کہ میں تم جیسے ایمان دار اور منصف مزاج انسان کا باپ ہوں۔" بادشاہ کو یہ قصّہ معلوم ہوا تو اُس نے اس نوجوان کو اپنا وزیر بنا لیا۔

ہمدرد اِنسائیکلوپیڈیا

علی ناصر زیدی

س: اصلی ہیرے کی پہچان کس طرح ہوتی ہے؟ تفصیل سے بتائیں۔ محمد مٹھل، کراچی

ج: ہیرے کی پہچان ہر شخص کو نہیں ہوتی۔ اس کی مشق (پریکٹس) کی جاتی ہے اور تربیت (ٹریننگ) لینی پڑتی ہے۔ جوہری اس فن میں طاق ہوتے ہیں۔ وہ ہیرے کو دیکھ کر یا کسی چیز پر رگڑ کر بتا سکتے ہیں کہ وہ اصلی ہے یا نقلی۔ سائنسی طور پر بھی اس کی پہچان کی جا سکتی ہے۔ اصلی ہیرے میں زبردست چمک پائی جاتی ہے، لیکن صرف چمک سے اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اب مصنوعی ہیرے بھی اتنے خوب صورت کاٹے جارہے ہیں کہ اُن پر نظر نہیں ٹھیرتی۔ اب ایسی مشینیں بھی بن گئی ہیں جو اصلی اور نقلی ہیرے کی پہچان کر سکتی ہیں۔

س: انسانی جسم میں سب سے کم زور ہڈّی کون سی ہے؟ امجد محمود، گوجرانوالہ

ج: اس سوال کا جواب دینا مشکل ہے۔ ہر ہڈّی اپنی جگہ مضبوط ہی ہے، لیکن اگر چوٹ لگ جائے تو وہ کم زور ثابت ہو سکتی ہے۔ ناک کا بانسہ بھی ہڈّی ہے، لہٰذا کسی ہڈی کو سب سے کم زور کہنا مشکل ہے۔

س: غباروں میں کون سی گیس بھری جاتی ہے؟ غلام نبی قریشی، نواب شاہ

ج: ہائیڈروجن گیس۔

س: پلاٹینم کیا ہے؟ اس کے عنصر سے فائدہ ہوتا ہے یا نقصان؟

ایس ایم جمشید یوسف فاروقی، منظفر گڑھ

ج: پلاٹینم ایک دھات ہے، جو بہت قیمتی ہے۔ وہ بجلی کی اچھی موصل ہے۔ اس سے کوئی

نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ بہت سے آنتوں میں فائدے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

س: ہماری زمین بڑی ہے یا سورج؟ محمد حسین شاد، سرائے سدھو

ج: سورج ہماری زمین سے بہت بڑا ہے۔ ایک نظریے کے مطابق زمین سورج سے ہی پیدا ہوئی تھی۔

س: دنیا کا خطرناک سانپ کون سا ہے اور زیادہ تر کہاں پایا جاتا ہے؟

غلام فاروق سومرو، شکارپور

ج: عام طور سے کوبرا یا سیاہ ناگ نہایت زہریلا سمجھا جاتا ہے۔ اگر مناسب علاج بروقت میسر نہ آئے تو اس کے کاٹے سے موت واقع ہو سکتی ہے۔ یہ گرم ملکوں کا سانپ ہے۔ اس لیے ان تمام ملکوں میں پایا جاتا ہے جن کی آب و ہوا گرم و مرطوب ہے، جیسے پاکستان، ہندستان اور افریقی ممالک۔

س: آدم خور پودوں کے اندر کیا ہوتا ہے۔ سالمے ہوتے ہیں یا کچھ اور۔ یہ کسی جانور کو کیوں جکڑ لیتے ہیں اور کیسے؟ سید محمد طارق شاہ، پشاور

ج: دنیا کے بعض علاقوں میں ایسے درخت پائے جاتے ہیں جو جان داروں کا خون یا رس چوس لیتے ہیں۔ اگر کوئی جان دار اُن کی شاخوں میں چلا جاتا ہے تو یہ شاخیں اکھٹی ہو کر اُسے جکڑ لیتی ہیں۔ وہ بے جان ہو جاتا ہے اور مر جاتا ہے۔ اُن کے اندر بہ ظاہر کوئی نئی چیز نہیں ہوتی۔ وہ عام درختوں جیسے ہی ہوتے ہیں۔ ایٹم اور سالمے تو ہر چیز کے اندر ہوتے ہیں۔

س: کیا سیارے گھومتے پھرتے ہیں یا اپنی جگہ پر گردش کرتے ہیں؟

سید محمد طارق شاہ، پشاور

ج: سیارے کے تو معنی ہی ہیں گھومنے والا۔ نظامِ شمسی میں نو سیارے ہیں، جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے۔ یہ سب سورج کے چاروں طرف گھومتے ہیں۔ سورج سے ان کے فاصلے یا راستے یا مدار مختلف ہیں۔ ایک دوسرے سے ٹکراتا نہیں۔ سب اپنے اپنے راستے پر اپنی رفتار سے گشت کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے محور پر بھی گھومتے ہیں، جن سے ان کے دن رات بنتے ہیں۔

س: ٹیلے ویژن سینٹر سے نشر ہونے والے پروگرام لہروں کی صورت میں ہوتے ہیں۔ بتایئے

کہ وہ ٹی وی پر تصویر کی صورت میں کس طرح واضح ہوتی ہیں؟

سید فیصل انوار، کراچی

ج: ہماری بعض ایجادات بعض قدرتی چیزوں کی بہ دولت کام یاب ہوئی ہیں۔ اگر روشنی اور بجلی کے درمیان ایک تعلق نہ پایا جاتا تو ٹیلے وژن کی ایجاد ممکن نہ ہوتی۔ ٹیلے وژن کیمرا جو تصویر اسٹوڈیو میں یا اسٹوڈیو سے باہر لیتا ہے، وہ ریڈیائی سگنلوں میں تبدیل ہو کر چاروں طرف نشر ہو جاتی ہیں۔ ہمارے ٹیلے وژن سیٹ میں ان سگنلوں کو موصول کرنے اور انھیں دوبارہ اُنھی تصویروں میں تبدیل کر دینے کا انتظام ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم ٹیلے وژن کے پردے پر اپنی پسند کا پروگرام دیکھ لیتے ہیں۔

س: سُنا ہے ہیرا شیشے کو کاٹ دیتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

سلمان گل خان، خٹک

ج: آپ نے ٹھیک سُنا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہیرا دنیا میں سب سے سخت چیز ہے اس لیے وہ شیشے کو کاٹ دیتا ہے۔

س: آندھی اور طوفان کیوں آتے ہیں؟ نعیمہ سبحان صدیقی، کراچی

ج: آندھی اور طوفان آنے کا سبب ہوائی دباؤ کا فرق ہے۔ آپ جانتے ہوں گے کہ ہوا ایک غلاف کی طرح ہماری زمین کے چاروں طرف پٹی ہوئی ہے اور ہر چیز پر اپنا دباؤ ڈالتی ہے جسے ہوائی دباؤ کہتے ہیں، لیکن یہ دباؤ ہر جگہ ہر موسم میں یکساں نہیں رہتا اور کم زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ گرمیوں میں زمین تپ جاتی ہے اور اس کے گرم ہو جانے سے ہوا بھی گرم ہو جاتی ہے۔ یہ گرم ہوا ہلکی ہو کر اوپر اُٹھ جاتی ہے اور اس جگہ ایک طرح کا خلا پیدا ہو جاتا ہے جسے پُر کرنے کے لیے آس پاس کی ہوائیں بڑی تیزی سے اس طرف دوڑتی ہیں اور ہم کہتے ہیں آندھی آگئی، طوفان آگیا۔ دباؤ کا فرق جتنا زیادہ ہوگا آندھی طوفان کی رفتار اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

س: کیا سانپ کے زہر سے انسان واقعی ہلاک ہو جاتا ہے۔

ثاقب مجید شیخ، فیصل آباد

ج: جی ہاں ہلاک ہو جاتا ہے، کیوں کہ زہر انسان کے خون میں شامل ہو کر دل کی حرکت کو روک دیتا ہے اور انسان مَر جاتا ہے۔

معلومات عامّہ ۲۴۳

اس بار بھی سوالات کی تعداد بارہ ہی ہے، لیکن تصویریں صرف ۱۲ یا ۱۱ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی شائع کی جائیں گی دس اور نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۱۵۔ جولائی ۸۶ ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے نیچے اپنا صاف نام اور پورا پتا لکھیے۔

۱ ۔ جب حضور نبی کریمؐ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا اس وقت آپؐ عمر کے کون سے سال میں تھے؟

۲ ۔ چودھری رحمت علی نے لفظ "پاکستان" بنایا تھا۔ انھوں نے ۱۹۳۲ء میں لندن میں جو جماعت بنائی تھی اس کا نام بتائیے؟

۳ ۔ مصر کے صدر کرنل جمال عبدالناصر کا کس سنہ میں انتقال ہوا تھا؟

۴ ۔ جون ایف کینیڈی اور روبرٹ ایف کینیڈی دونوں قتل کیے گئے تھے۔ کیا ان دونوں میں کوئی رشتہ بھی تھا؟

۵ ۔ علامہ اقبال کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہوا تھا۔ بتائیے مولانا شوکت علی کا انتقال ان کے کتنے سال بعد ہوا؟

۶ ۔ اسلام آباد سے پہلے پاکستان کا مستقل دارالحکومت کون سا شہر تھا؟

۷ ۔ بتائیے ورجل (VIRGIL) کون تھا؟

۸ ۔ بہادر شاہ ظفر کے استاد شیخ محمد ابراہیم ذوق تھے یا مرزا اسد اللہ خاں غالب؟

۹ ۔ "تہذیب و فن" ایک کتاب کا نام ہے۔ بتائیے مصنف کا نام کیا ہے؟

۱۰ ۔ وہ کون سا پھول ہے جو دن بھر اپنا رُخ بدلتا رہتا ہے؟

۱۱ ۔ ہندُستان کے سب سے پہلے مسلمان بادشاہ کا نام کیا تھا؟

۱۲ ۔ اُس ہاتھی کا نام بتائیے جو سلطان محمود غزنوی کو بہت پسند آگیا تھا؟

★

اُڑنے والا گھوڑا

ہر ملک کے بچّوں کی ایک پسندیدہ کہانی

مناظر صدیقی

سیکڑوں سال پہلے کا ذکر ہے کہ ایران میں ایک بہت نیک اور بہادر بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ یہ بادشاہ ہر سال نوروز کے موقع پر ایک بڑا جشن مناتا۔ پوری رعایا کو دعوت دی جاتی۔ سب مل کر کھانا کھاتے اور خوشیاں مناتے۔ لوگ انتظار کرتے کہ نوروز آئے اور انھیں بادشاہ کے ساتھ خوشی منانے کا موقع ملے۔ اُس روز جو شخص بھی بادشاہ سے ملنے آتا وہ اپنا منھ مانگا انعام پاتا۔ ایک مرتبہ نوروز سے کچھ ہی دن پہلے ایک ہندستانی کاری گر بھی ایران پہنچا۔ اُسے وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ جو شخص بھی نوروز پر بادشاہ کو کوئی تحفہ پیش کرے گا تو بادشاہ اُسے منھ مانگا انعام دے گا۔ بادشاہ کا پایۂ تخت شیراز تھا، اس لیے ملک بھر میں سب سے بڑا جشن شیراز ہی میں منایا جاتا تھا۔

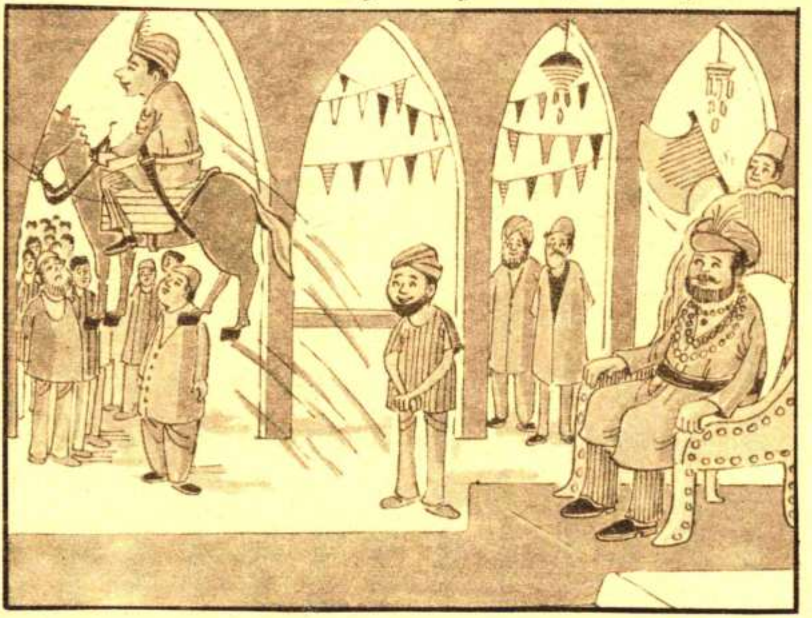

ہندُستانی کاری گر جب شیراز پہنچا تو ہر طرف چہل پہل تھی۔ دراصل ہندُستانی کاری گر ٹھیک نوروز کے موقع پر ہی شیراز پہنچا تھا۔ کاری گر لوگوں سے پوچھتا پوچھتا بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ اس وقت لوگ بادشاہ کو تحفے پیش کر رہے تھے۔ ہر تحفہ انوکھا اور خوب صورت ہوتا۔ بادشاہ بھی تحفہ پیش کرنے والوں کو انعام دیتا۔ جس کا تحفہ جتنا قیمتی یا خوب صورت ہوتا اتنا ہی زیادہ انعام بھی ہوتا۔ جب ہندُستانی کاری گر کی باری آئی تو اُس نے ایک بہت بڑا سا صندوق کھولا۔ یہ صندوق وہ کئی مزدوروں سے اُٹھوا کر لایا تھا۔ جیسے ہی صندوق کُھلا اس میں سے ایک بدشکل گھوڑا نکل آیا۔ کاری گر اس گھوڑے کی لگام پکڑ کر آگے بڑھا تو اسے دیکھتے ہی ایران کا بادشاہ اور تمام درباری ہنس پڑے، کیوں کہ ایک تو گھوڑا انتہائی بدصورت تھا دوسرے وہ ایسے چل رہا تھا جیسے لکڑی کا گھوڑا ہو۔ ہندُستانی کاری گر پر لوگوں کی ہنسی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے بادشاہ کے تخت کے قریب پہنچا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا:

"عالی جاہ! میں جانتا ہوں کہ میرے بدصورت گھوڑے کو دیکھ کر ہر کوئی ہنستا ہے، لیکن جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ میرا گھوڑا کتنا کار آمد ہے تو آپ مجھے منھ مانگا انعام دیں گے۔ اگر آپ اس گھوڑے کو آزمانا ہی چاہتے ہیں تو اپنے بہادر شہزادے کو حکم دیجیے کہ وہ اس گھوڑے پر سواری کرے اور اس کی زین میں لگی ہوئی کیل کھینچ لے۔ پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ میرا یہ گھوڑا جو سچ مچ لکڑی ہی کا ہے، کتنے کام کی چیز ہے؟"

کاری گر نے ابھی بات ختم ہی کی تھی کہ ایران کا شہزادہ فیروز فوراً آگے بڑھا اور بادشاہ سے کہنے لگا:

"مجھے اس گھوڑے پر سوار ہونے کی اجازت دے دیجیے تاکہ اس آدمی کے سچ اور جھوٹ کا پتا چل جائے۔"

بادشاہ نے مسکرا کر شہزادے کی طرف دیکھا اور اشارے سے گھوڑے کو آزمانے کی اجازت دے دی۔ بادشاہ کی طرف سے اجازت ملتے ہی شہزادہ فیروز لپک کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ شہزادہ جوان بھی تھا اور بہادر بھی۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ پہلے اس گھوڑے کو چلانے کا طریقہ سیکھ لینا چاہیے۔ گھوڑے پر بیٹھتے ہی شہزادہ فیروز نے زین میں لگی ہوئی کیل کھینچ لی۔ کیل کھینچتے ہی گھوڑا شہزادے کو لے کر اوپر اٹھنے لگا۔ چند ہی لمحوں میں اس گھوڑے کی رفتار تیر کی طرح تیز ہو گئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے گھوڑا شہزادے کو لے کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

جب گھوڑا ہوا میں اُڑا تو شروع شروع میں شہزادہ فیروز بہت خوش ہوا، لیکن جب کافی دیر تک آسمانوں میں بادلوں سے اوپر تفریح کر کے اس کا دل بھر گیا تو شہزادے نے کوشش کی کہ اب گھوڑا اُسے واپس شیراز لے چلے۔ اس نے لگام کھینچی۔ بھلا گھوڑا لگام سے کیا رُکتا؟ شہزادہ فیروز نے سوچا کہ جس کیل کو کھینچنے سے گھوڑے نے اُڑنا شروع کیا تھا اُسے دوسری طرف گھمانا چاہیے۔ شہزادے کو اس وقت بڑی حیرت ہوئی جب کیل گھمانے سے گھوڑے کی رفتار کم ہونے کی بجائے اور تیز ہو گئی۔ اس نے کئی بار کیل کو مختلف سمت میں گھمایا، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، پھر بھی بہادر شہزادے نے ہمّت نہیں ہاری۔ گھوڑے کی زین کے نیچے ہر طرف غور سے دیکھتا رہا۔ آخر اسے ایک اور چھوٹی سی کیل نظر آ گئی۔ شہزادے نے یہ کیل گھمائی تو گھوڑے کی رفتار بھی کم ہونے لگی اور گھوڑا نیچے آنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی گھوڑا زمین پر ٹِک گیا۔ اب شہزادہ زمین پر اُترا تو اُسے پتا چلا کہ گھوڑے نے اسے ایک محل کی چھت پر اُتارا تھا، لیکن یہ محل اس کا اپنا محل نہیں تھا۔ یہاں چاروں طرف کا منظر اس کے شیراز کے محل سے مختلف تھا۔

شہزادہ جب گھوڑے سمیت محل کی چھت پر اُترا تو رات ہو چکی تھی۔ شہزادہ اب تھک چکا تھا اور اُسے بھوک بھی لگ رہی تھی اس لیے یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ یہ کوئی نئی جگہ ہے اور محل بھی پرایا ہے، شہزادے کو اپنی بھوک مٹانے کا انتظام تو کرنا ہی تھا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے ایک طرف سیڑھیاں نظر آ گئیں۔ ان سیڑھیوں کے ذریعے سے شہزادہ نیچے اُترا تو اُسے سامنے ہی ایک شان دار کمرا نظر آیا جس میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ شہزادہ ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہو گیا۔ سامنے ایک بڑی سی مسہری پر ایک انتہائی خوب صورت لڑکی سو رہی تھی۔ اس مسہری کے چاروں طرف فرش پر دس کنیزیں سو رہی تھیں۔ جس سے شہزادہ فیروز کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کسی بادشاہ کے محل کی چھت پر اُترا ہے اور مسہری پر سونے والی اس کی شہزادی ہے۔

شہزادہ فیروز آہستہ آہستہ مسہری کے قریب پہنچا اور مسہری پر سونے والی کو جگا دیا۔ وہ اُٹھی تو حیرت سے شہزادے کو دیکھنے لگی۔ شہزادہ فیروز نے اتنی رات میں وہاں آنے کی معافی مانگی اور اپنی پوری کہانی اُسے سنا دی کہ وہ کس طرح عجیب گھوڑے کو آزماتے ہوئے اس کے محل تک پہنچا ہے۔ پھر شہزادے نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہ محل کس کا ہے؟

"یہ بنگال کی شہزادی کا محل ہے اور میں ہی بنگال کی شہزادی ہوں۔" مسہری پر سونے والی لڑکی نے جواب دیا۔ پھر اس نے اپنی کنیزوں کو جگا کر شہزادہ فیروز کے لیے کھانے کا انتظام کیا۔ اس کے بعد شہزادے کو ایک آرام دہ کمرے میں پہنچا دیا گیا تاکہ وہ اپنی نیند پوری کرے۔

دوسرے دن شہزادی نے اپنی کنیزوں سے شہزادہ فیروز کو بُلایا اور فرمائش کی کہ وہ اپنی کہانی دوبارہ سُنائے۔ شہزادہ فیروز اپنی کہانی شروع کرنے ہی والا تھا کہ بنگال کا بادشاہ بھی وہاں پہنچ گیا۔ شہزادی نے اپنے باپ سے شہزادہ فیروز کو ملوایا۔ پھر جب بنگال کے بادشاہ نے شہزادہ فیروز کی کہانی سُنی تو دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر کے وہاں سے چلا گیا۔ بنگال کا بادشاہ شام کو اپنے لڑکے کے ساتھ دوبارہ شہزادی کے محل میں آیا۔ اب شہزادہ فیروز کو ایک مرتبہ پھر اپنی کہانی سنانی پڑی۔

رات کو جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو بنگال کے شہزادے نے شہزادہ فیروز سے کہا کہ میری ایک ہی بہن ہے۔ بہت دِنوں سے میں اور میرے والد دونوں ہی یہ سوچ رہے تھے کہ کسی خوب صورت اور بہادر شہزادے سے اس کی شادی کر دینی چاہیے۔ چناں چہ اب یہ وقت آگیا ہے، کیوں کہ تم شہزادے بھی ہو، خوب صورت اور بہادر بھی۔ اس لیے میرے والد نے فیصلہ کیا ہے کہ تم دونوں کی شادی کر دی جائے، لیکن شہزادہ فیروز نے کہا کہ میری شادی تو شیراز ہی میں ہو گی، کیوں کہ میرے والد شاہِ ایران اپنی ہر خوشی میں اپنی رعایا کو شریک رکھتے ہیں اور خود میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ایران کے تمام لوگ میری خوشی میں شریک ہوں۔ اس لیے اگر آپ کے والد صاحب مناسب سمجھیں تو شہزادی کو میرے ساتھ ایران بھیج دیں۔ میرے والد یعنی شاہ ایران بھی شہزادی کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور شیراز پہنچتے ہی ہماری شادی ہو جائے گی۔

بنگال کے شہزادے نے شہزادہ فیروز کی خواہش کے متعلق اپنے والد کو بتایا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد شاہِ بنگال نے شہزادہ فیروز کو اجازت دے دی کہ وہ شہزادی کو اپنے ساتھ لے جائے۔ چناں چہ جب رات ختم ہوئی تو شاہِ بنگال اور شہزادہ بنگال نے شہزادہ فیروز اور شہزادی کو رخصت کر دیا۔

شہزادہ فیروز کو اب عجیب گھوڑے پر سواری کا طریقہ معلوم ہی ہو چکا تھا۔ وہ شہزادی کے ساتھ اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور تھوڑی ہی دیر میں ایران پہنچ گیا۔ جہاں اس نے شیراز سے کچھ دور

ایک محل میں گھوڑا اُتار لیا۔ شہزادی کو اس محل میں چھوڑ کر وہ شیراز پہنچا تاکہ شاہ ایران کو بتا سکے کہ وہ واپس آگیا ہے اور اپنے ساتھ بنگال کی شہزادی کو بھی لایا ہے۔

شہزادہ فیروز جب شیراز میں اپنے باپ کو اپنے سفر کی کہانی سُنا رہا تھا تو ہندُستانی کاری گر بھی قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے جب یہ سُنا کہ بنگال کی شہزادی بھی شہزادہ فیروز کے ساتھ آئی ہے تو اُسے شاہِ بنگال کا فیصلہ کچھ اچھا نہ معلوم ہوا۔ پھر بھی وہ یہ سوچ کر خاموش رہا کہ اُسے ان سب باتوں سے کیا واسطہ، اسے تو بس انعام چاہیے، لیکن شاہ ایران اپنے بیٹے کی واپسی سے اتنا خوش تھا کہ اس نے ہندُستانی کاری گر کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ بادشاہ تو ہندُستانی کاری گر کو ایسے بھول گیا تھا جیسے اُس نے کبھی کاری گر کو دیکھا ہی نہ ہو۔ شاہِ ایران کی یہ بات ہندُستانی کاری گر کو بہت بُری لگی۔ اس نے سوچا کہ بادشاہ تو مجھے پہچان بھی نہیں رہا ہے۔ اس طرح تو میرا گھوڑا بھی میرے ہاتھ سے نکل گیا اور انعام بھی نہیں ملا۔ اس بادشاہ کو کوئی ایسی سزا ملنی چاہیے جسے یہ ہمیشہ یاد رکھے اور آیندہ کبھی کسی کا حق دینا نہ بھولے۔

شاہ ایران نے درباریوں کو حکم دیا کہ شہزادے کی واپسی کی خوشی میں جشن منائیں اور شہزادے کی شادی کی تیاریاں کریں۔ اسی وقت ہندُستانی کاری گر نے دل ہی دل میں ایک ترکیب سوچ لی۔ پھر جب سب لوگ شہزادے کی شادی کی تیاری کے لیے دربار سے چلے گئے اور بادشاہ بھی شہزادہ فیروز کو اپنے ساتھ لے کر اپنے محل میں چلا گیا تو ہندُستانی کاری گر فوراً ہی دربار سے چل پڑا اور جتنی جلدی ہو سکا بنگال کی شہزادی کے پاس پہنچا۔ وہاں اس نے شہزادی کو بتایا کہ شیراز میں شادی کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور شہزادہ فیروز نے اسے یہاں اس لیے بھیجا ہے کہ وہ شہزادی کو اُڑنے والے گھوڑے پر بٹھا کر فوراً شیراز پہنچ جائے۔ شہزادی سمجھی کہ واقعی اُسے شہزادہ فیروز نے بُلایا ہے۔ چناں چہ وہ کاری گر کے ساتھ اُڑنے والے گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ کاری گر نے گھوڑے کی کل دبائی اور گھوڑا ہوا میں اُڑنے لگا۔ کاری گر کو شیراز تو جانا ہی نہیں تھا، وہ شہزادی کو لے کر سیدھا کشمیر پہنچا۔

کشمیر میں اُن دنوں ایک راجا کی حکومت تھی۔ کاری گر شہزادی اور گھوڑے کے ساتھ راجا کے پاس پہنچا اور سارا واقعہ اسے سُنا کر کہا کہ وہ ایران کے بادشاہ کو سزا دینا چاہتا ہے، اُسے کچھ دن کشمیر میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ شہزادی کے غائب ہو جانے سے شہزادہ فیروز

بہت پریشان ہو گا اور اسے تلاش کرنے کے لیے نکل کھڑا ہو گا۔ اس طرح بادشاہ سے جب اس کا بیٹا چھوٹ جائے گا تو بادشاہ کو اس سے بہت دکھ ہو گا۔ یہی بادشاہ کی سزا ہو گی۔ کچھ دن بعد جب سزا پوری ہو جائے گی تو وہ شہزادی کو اُڑنے والے گھوڑے پر بٹھا کر شہزادہ فیروز کو تلاش کر کے شہزادی اُس کے حوالے کر دے گا۔

کشمیر کے راجا نے کاری گر کی تمام باتیں سُنیں اور شہزادی کو دیکھا تو دل میں سوچنے لگا کہ اتنی خوب صورت شہزادی سے میں خود ہی کیوں نہ شادی کر لوں اور اس اُڑنے والے گھوڑے پر قبضہ کر لوں، یہ سوچ کر اس نے کاری گر سے کہا:

"تم نے شہزادی کو یہاں لا کر ایران اور بنگال کے دو بادشاہوں کی توہین کی ہے۔ ایک معمولی کاری گر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی بادشاہ کو سزا دینے کا خیال کبھی دل میں لائے۔ اس لیے تم خود میرے دربار سے نکل جاؤ، ورنہ میں تمھیں قتل کرا دوں گا۔" اتنا کہہ کر کشمیر کے راجا نے تالی بجائی۔ فوراً چار سپاہی وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے کاری گر کو دھکّے دے کر دربار سے نکال دیا۔

کشمیر کے راجا نے کاری گر کو اپنے دربار سے نکال دیا اور شہزادی کو ایک شان دار محل میں پہنچا دیا، لیکن وہ شہزادی سے شادی نہ کر سکا، کیوں کہ شہزادی بھی بہت عقل مند تھی۔ اس نے سوچا کہ ایران کے بادشاہ کی غلطی کی سزا تو خود شاہ ایران ہی کو ملنی چاہیے تھی، لیکن کاری گر کی بے وقوفی اور جلد بازی سے خود کاری گر کو بھی نقصان پہنچا اور میں بھی مصیبت میں پھنس گئی۔ اس مصیبت سے بچنے کے لیے کوئی ترکیب کرنی چاہیے۔ چناں چہ اُس نے ایسی حرکتیں شروع کر دیں جیسے پاگل آدمی کیا کرتے ہیں۔ وہ دیوار کی طرف منھ کر کے کھڑی ہو جاتی تو گھنٹوں کھڑی رہتی۔ کبھی اپنے بال نوچ لیتی تو کبھی چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لیتی۔ کوئی اُس کے قریب جاتا تو اسے مارنے دوڑتی۔ پاس آنے والے کو نوچ کھسوٹ کر رکھ دیتی۔ راجا نے اس کی یہ حالت دیکھی تو بڑے بڑے حکیموں اور ویدوں کو شہزادی کا علاج کرنے کا حکم دیا۔

نقلی پاگل پن کی زندگی گزارتے ہوئے شہزادی کو بہت دنوں تک کشمیر میں رہنا پڑا۔ حکیم اور وید اسے طرح طرح کی دوائیں کھلاتے، لیکن وہ سچ مچ پاگل ہوتی تو علاج کا فائدہ بھی ہوتا۔

بہت دنوں کے بعد شہزادہ فیروز گھومتے پھرتے کشمیر پہنچا۔ وہ شہزادی کے غائب ہوتے ہی اس کی تلاش میں چل پڑا تھا۔ راجا کے محل کے قریب شہزادہ فیروز کو وہی ہندستانی کاری گر مل گیا۔ شہزادے نے تو اس کاری گر کو نہیں پہچانا تھا، کیوں کہ اب کاری گر اتنا غریب اور اتنا کم زور ہو گیا تھا کہ اب اس کی شکل بھی پہچانی نہ جاتی تھی۔ کاری گر ہی نے شہزادہ فیروز کو پہچان لیا اور اسے اپنی جھونپڑی میں لے آیا، لیکن اس نے شہزادے کو یہ نہیں بتایا کہ وہ خود کون ہے۔ جھونپڑی میں پہنچ کر کاری گر نے اس سے ایسے سوالات کیے جیسے یہ جاننا چاہتا ہو کہ اجنبی مسافر کون ہے اور کشمیر کیوں آیا ہے۔ شہزادے نے اسے اپنی پوری کہانی سُنائی اور کہا کہ وہ شہزادی اور کاری گر کو تلاش کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔ اب اگر کاری گر اُسے مل گیا تو وہ کاری گر کو قتل کر دے گا اور شہزادی کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔

شہزادے کی زبان سے یہ سُن کر کہ وہ کاری گر کو قتل کرنا چاہتا ہے پہلے تو کاری گر بہت ڈرا، لیکن پھر ہمت کر کے اس نے سمجھایا کہ ایران کے بادشاہ کی کنجوسی اور غلطی سے کاری گر کا دل دُکھا تھا، اس وجہ سے کاری گر اپنا گھوڑا اور شہزادی کو وہاں سے لے گیا۔ اگر کاری گر کو اس کا انعام مل جاتا اور گھوڑا بنانے پر اس نے جو محنت کی تھی اس کا پھل مل جاتا تو کاری گر کبھی ایسی حرکت

نہیں کرتا۔ کاری گر کی باتیں سُن کر شہزادہ فیروز کو بھی بہت افسوس ہوا کہ اس کے باپ کی غلطی سے کتنی مصیبت اٹھانی پڑی۔ پھر شہزادے نے کہا کہ اب اگر وہ کاری گر اور شہزادی دونوں اُسے مل گئے تو وہ کاری گر کو اس کا انعام ضرور دے گا، لیکن سوال یہ ہے کہ کاری گر ملے گا کہاں؟

شہزادے کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد کاری گر نے اُسے کشمیر پہنچنے کے بعد کی تمام باتیں بتا دیں اور شہزادی کو حاصل کرنے کی ترکیب بھی سمجھا دی۔ شہزادے نے خوش ہو کر اُسے بہت سا انعام دیا اور ہدایت کی کہ وہ فوراً کشمیر سے کہیں اور چلا جائے ورنہ ہو سکتا ہے کہ کشمیر کا لالچی راجا اس سے یہ دولت بھی چھین لے۔

دوسرے دن کاری گر تو کشمیر سے چلا گیا اور شہزادہ فیروز ایک حکیم بن کر راجا کے پاس پہنچا۔ اس نے راجا سے کہا کہ وہ شہزادی کا علاج کر سکتا ہے۔ راجا نے اُسے فوراً ہی شہزادی کے پاس پہنچا دیا۔ شہزادی پہلے تو اُسے بھی مارنے دوڑی، لیکن شہزادے نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور بتایا کہ وہ شہزادہ فیروز ہے اور اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہے۔ پھر اس نے شہزادی کو سمجھایا کہ وہ جھوٹ موٹ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ شہزادی نے فوراً ہی شہزادہ فیروز کی ہدایت پر عمل کیا۔ شہزادی کو بے ہوش چھوڑ کر شہزادہ فیروز، راجا کے پاس پہنچا اور اُسے بتایا کہ شہزادی پر گھوڑا بنانے والے کاری گر نے جادو کر رکھا ہے۔ یہ جادو چوں کہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر کیا گیا ہے، اس لیے اسے اُتارنے کے لیے بھی شہزادی کو صبح سورج نکلنے سے پہلے گھوڑے کی پیٹھ پر بٹھانا ہو گا۔ راجا چوں کہ اپنی غرض کے لیے دیوانہ ہو رہا تھا، اس لیے اس کی سمجھ میں شہزادے کی چال نہ آئی اور اس نے شہزادہ فیروز کی بات فوراً ہی مان لی۔

دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے محل کی چھت پر شہزادی کو پہنچا دیا گیا۔ شہزادہ فیروز نے اُسے گھوڑے پر بٹھا دیا اور پھر زور زور سے اس طرح اُلٹے سیدھے الفاظ زبان سے ادا کرنے لگا جیسے وہ بھی کوئی جادو کر رہا ہو۔ پھر وہ بڑی پھرتی سے خود بھی گھوڑے پر بیٹھ گیا اور فوراً ہی گھوڑے کو اُڑانے والی کیل کھینچ لی۔ پلک جھپکنے میں گھوڑا بادلوں کے قریب پہنچ گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں شیراز پہنچ گئے۔ جہاں دونوں کی بڑی دھوم دھام سے شادی ہو گئی۔

تحفے

محل سرائے

مرسلہ: حافظ احمد ولی اللہ ارباب، سکھر

حضرت ابراہیم بن ادھم بلخ کے بادشاہ تھے۔ ایک روز اپنے دربارِ خاص میں بیٹھے تھے کہ یکایک ایک اجنبی دندناتا ہوا دربار میں آیا اور پوچھنے لگا، "کیا میں اس سرائے میں ایک روز ٹھیر سکتا ہوں؟" حضرت ابراہیم ادھم نے غصّے سے کہا، "یہ سرائے نہیں شاہی محل ہے۔" اجنبی نے پوچھا، "تم سے پہلے اس محل میں کون رہتا تھا؟" ادھم نے جواب دیا، "میرا باپ۔" اجنبی نے کہا، "اُن سے پہلے کون رہتا تھا؟" ادھم بولے، "میرے دادا۔"

"تمھارے دادا سے پہلے؟" ادھم نے کہا، "میرے پَر دادا۔" اجنبی نے سوال کیا، "اچھا، تمھارے بعد یہاں کون رہے گا؟" ادھم نے کہا، "میرا بیٹا۔" اجنبی بولا، "خود سوچو جس جگہ اتنے آدمی آئے اور چلے گئے کیا اسے محل کہنا چاہیے؟" اتنا کہہ کر اجنبی چلا گیا۔ ابراہیم ادھم تخت چھوڑ کر اجنبی کے پیچھے دوڑے اور پھر پلٹ کر نہیں آئے۔

پوسٹر

مرسلہ: اسد اقبال، حیدر آباد

ایک صاحب کو پوسٹر پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ شام کو وہ فُٹ پاتھ سے گزر رہے تھے۔ اچانک ان کی نظر ایک کھمبے پر پڑی جس پر پوسٹر لگا ہوا تھا۔ وہ صاحب پوسٹر پڑھنے کے لیے کھمبے پر چڑھے۔ کھمبے پر لکھا تھا:

"کھمبا گیلا ہے، ہاتھ نہ لگائیے۔"

پیاری قومی زبان

مرسلہ: تسنیم احمد، سکھر

"ہم انگریزی پڑھنے کے مخالف نہیں۔ ہم ضرورت کے مطابق انگریزی سے فائدہ اُٹھائیں گے، لیکن ہم یہ ہرگز برداشت نہیں کریں گے کہ قومی زبان تو یتیموں کی طرح گلی گلی بھیک مانگ رہی ہو اور یہ غیر ملکی زبان اقتدار پر قبضہ کیے بیٹھی رہے۔ ہم اس نسل کو بھی برداشت نہیں کریں گے جس کی کھال تو پاکستانی ہو اور لہجہ امریکی فرعونی اور وہ منھ بگاڑ کر بات کرے۔ ہم یہ بھی گوارا نہیں کریں گے کہ اس ملک کے لوگ انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنا کر ایک طرف علم میں ناقص رہیں اور دوسری طرف مغربی کلچر کا زہر پیتے رہیں۔

قبل اس کے کہ پانی سر سے اونچا ہو جائے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ قومی زبان کو اس کا جائز حق دیا جائے۔

— ڈاکٹر سید عبداللہ

خواب

مرسلہ: راحیلہ ابوذر

جب سے مجھے پتا چلا ہے کہ مخمل کے گدّوں پر سونے والوں اور ننگی زمین پر سونے والوں کے خواب مختلف نہیں ہوتے، اس وقت سے مجھے خدا کے انصاف پر یقین ہو گیا ہے۔ ـــــ جبران خلیل جبران

خیالات

مرسلہ: انیلا افتخار، چشتیاں

انسان دیکھے جا سکتے ہیں، ٹٹولے جا سکتے ہیں، ان پر حملہ کیا جا سکتا ہے، ان کو پکڑا جا سکتا ہے، ان کو تختۂ دار پر لٹکایا جا سکتا ہے، مگر ان کے خیالات پر قابو نہیں پایا جا سکتا ہے۔

خیالات غیر محسوس طور پر پھیلتے ہیں، چھپ جاتے ہیں، اپنے مٹانے والوں کی نظر سے مخفی ہو جاتے ہیں۔ روح کی گہرائیوں میں پرورش پاتے ہیں، پھلتے پھولتے ہیں، جڑیں نکالتے ہیں۔ تم بے احتیاطی کے باعث ظاہر ہونے والی شاخیں جتنی کاٹو گے اتنی ہی ان کی زمین دوز جڑیں مضبوط ہو جائیں گی۔ الگزینڈر ڈوما

کلیاں

مرسلہ: عائشہ عزیز، جے پور

- فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں۔
- کسی کا بھید معلوم نہ کرو۔
- دل کا سکون چاہتے ہو تو حسد نہ کرو۔
- نیکی کے بغیر گزرے ہوئے دن پر روؤ۔
- ہر انسان کی قیمت اس کی خوبیاں ہیں۔
- الفاظ وہ پھول ہیں جو کبھی نہیں مُرجھاتے اور آنے والی نسلوں کو تازگی بخشتے ہیں۔
- جس دل میں خلوص کا جذبہ نہیں وہ اس سیپ کی مانند ہے جس میں موتی نہیں۔
- دوسروں کی لغزش پر خوش نہ ہو، کیوں کہ تمھیں خبر نہیں کہ آنے والا وقت تم کو کیا دکھائے گا۔

مذاق

مرسلہ: یاسین رجب علی، نواب شاہ

شیر کو جنگل میں جو بھی جانور ملتا وہ اُسے گردن سے دبوچ لیتا اور پوچھتا، "بتاؤ جنگل کا بادشاہ کون ہے؟" سب جواب دے رہے تھے، "مائی باپ، آپ۔" شیر ہاتھی کے پاس پہنچا۔ اس سے بھی یہی سوال کیا۔ ہاتھی نے سُن کر اطمینان سے شیر کو سونڈھ میں جکڑا اور اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ شیر کمر سہلاتا ہوا اُٹھا اور بولا، "بھائی صاحب! اگر آپ کو معلوم نہیں تھا تو خاموش رہتے، یہ کیسا مذاق تھا۔"

ایک دُعا

مرسلہ: راشد اختر، کراچی

"یا اللہ! کھانے کو روٹی دے! پہننے کو کپڑا دے! رہنے کو مکان دے! عزّت اور آسودگی کی زندگی دے!"

میاں، یہ بھی کوئی مانگنے کی چیزیں ہیں

"کچھ اور مانگا کر۔"

"بابا جی! آپ کیا مانگتے ہیں؟"

میں؟ میں چیزیں نہیں مانگتا۔ میں تو کہتا ہوں:

"اے اللہ! مجھے ایمان دے! نیک عمل کی توفیق دے!"

بابا جی! آپ ٹھیک دعا مانگتے ہیں۔ انسان وہی چیزیں مانگتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتیں۔

—— ابنِ انشا

اخلاق کی کمی

مرسلہ: ذوالفقار علی، خان پور

آپ کے رشتے داروں کی خوشی آپ کی اچھی باتوں، اچھے اعمال اور پسندیدہ عادتوں سے وابستہ ہے۔ آپ کی زندگی میں وہ آپ کے دُکھ سکھ کے ساتھی

ہیں۔ غیروں کو آپ کی کسی مصیبت یا حرکت سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اس لیے آپ کو ایسے کاموں سے اجتناب کرنا ہوگا جس سے آپ کے رشتے داروں کو تکلیف ہو یا جس سے آپ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ آپ کی تکلیف سے ان کو بھی تکلیف ہوگی۔ اگر آپ کے رشتے دار آپ کی حرکتوں سے خوش نہیں ہیں تو پھر آپ کو سوچنا چاہیے کہ کہیں آپ کے اخلاق میں کوئی کمی یا خامی تو نہیں ہے۔

ماں

مرسلہ: ذوالفقار علی، خان پور

عورت چار حیثیتوں یعنی ماں، بیٹی، بہن اور بیوی بن کر ہمارے ساتھ زندگی گزارتی ہے۔ ان چاروں میں سب سے زیادہ احسان آپ پر آپ کی ماں کا ہے۔ اسی کی محبت سب سے بے غرض ہے۔ اس نے آپ کی خاطر لاتعداد مصیبتیں برداشت کیں۔ وہ مرتے دم تک آپ کی بھلائی کے لیے دعائیں کرتی ہے۔ اُس کے پاؤں تلے ہی اللہ نے آپ کی جنّت رکھی ہے۔

قہقہہ ۔ ایک بے مثال ٹانک

مرسلہ: عبدالشکور نوری، جہلم

قہقہے کے اثرات نفسیاتی بھی ہوتے ہیں، جسمانی بھی اور یہ نتائج بڑے ہی خوش گوار، صحت بخش، اور روح افزا ہوتے ہیں۔ زور دار قہقہہ لگانے سے اعصابی تناؤ کم ہو جاتا ہے، جسم کی کھنچی اور تنی ہوئی رگیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں، پھیپڑے کھل جاتے ہیں اور زہریلی گیسیں خارج ہو جاتی ہیں۔ قہقہے سے جذباتی گھٹن اور پریشانیوں کی تلخی کم ہو جاتی ہے۔

جواہر ریزے

مرسلہ: ثریا جبیں، کراچی

⌘ ذہنی صلاحیت آرام سے نہیں استعمال سے بڑھتی ہے۔ (لارڈ میکالے)

⌘ دماغ کو فضول چیزوں کے لیے استعمال نہ کرو۔ (گوئٹے)

⌘ بے عمل عالم پارس کے پتھر کی طرح ہے، جو دوسروں کو سونا بناتا ہے، لیکن خود پتھر ہی رہتا ہے۔ (مجدد الف ثانی)

⌘ زندگی دوسروں سے قرض نہیں لی جاسکتی، اسے

خود ہی اپنے اندر روشن کرنے کی ضرورت ہے۔

——علامہ اقبال

اگر علادین کا چراغ مل جائے تو؟

مرسلہ، معراج یاسمین اعظم، ڈیرہ اسماعیل خاں

- کسٹم آفیسر: کچھ پرواز میں اور بڑھوادو۔
- شہری: بجلی اور پانی کا دیدار کرادو۔
- طالب علم: پرچہ آؤٹ کرادو۔
- سفارشی: ذرا میرا عہدہ بڑھوادو۔
- بس ڈرائیور: بس میں دو گنی سواریاں ڈال دو۔

سگرٹ نوشی کے فوائد

مرسلہ: حسن فاطمی، نئی کراچی

پہلا فائدہ

سگرٹ پینے والے کے گھر میں چور کبھی نہیں آتے، کیوں کہ وہ ساری رات کھانستا رہتا ہے۔

دوسرا فائدہ

سگرٹ پینے والا آدمی کبھی بوڑھا نہیں ہوتا کیوں کہ وہ بڑھاپے سے پہلے وفات پا جاتا ہے۔

خواہش

مرسلہ: شبانہ صدیقی، روہڑی

میری زندگی کی ڈائری میں خواہش جیسا بے کار لفظ کہیں نہیں ہے۔ میں جو کام کرتی ہوں مکمل کرتی ہوں۔ جس چیز کو چاہتی ہوں اپنی مسلسل محنت، قوتِ ارادی اور عزم کی مضبوط سیڑھی پر چڑھا کر پا لیتی ہوں۔ میں کبھی خواہش کے کم زور جال میں نہ پھنس سکی۔ مجھے بڑی اچھی طرح اندازہ ہے کہ اگر میں نے اپنی کسی ایک خواہش کو آزاد کر دیا تو وہ وسیع ہو کر میری مکمل زندگی کو قید کر لے گی، پھر یہ خواہش خواہشات میں تبدیل ہو کر میری زندگی کو دیمک کی طرح چاٹ جائے گی۔ میں تڑپ تڑپ کر مرنا کبھی قبول نہیں کروں گی۔ میں خواہش کی قید سے آزاد ہوں اور ہمیشہ آزاد رہوں گی۔

اگر!

مرسلہ: محمد اکرم محمود حسین خان اعوان، کوٹ غلام محمد

اگر سرسبز اور شاداب پودا نہ بن سکو تو ایک ننّھا پتّا بن جاؤ، کیوں کہ پھولوں کی خوب صورتی پتّوں سے ہے۔ اگر پتّا بھی نہ بن سکو تو شبنم کا ایک قطرہ ہی بن جاؤ، جو پھول اور پتّے دونوں کو زندگی دیتا ہے۔

اگر شاہراہِ حیات پر مسکراتا ہوا چاند نہ بن سکو تو ستارہ بن جاؤ۔ صبح کا ستارہ جو بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھاتا ہے۔

کام کی باتیں

مرسلہ: سعید احمد، ٹنڈو الہ یار

- جو شخص یتیم کی پرورش کرتا ہے اس کے بچّوں کی پرورش خدا کرتا ہے۔
- غیبت سے بچو، کیوں کہ یہ نیکیوں کو اس طرح جلاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔
- صبح سوتے رہنا روزی کو روکنا ہے۔
- مطالعہ غم اور اداسی کا بہترین علاج ہے۔
- انسان شکل سے نہیں عقل سے پہچانا جاتا ہے۔

نونہال مصوّر

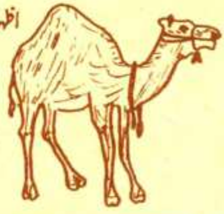

اظہر امام، کراچی

جمیل احمد خاں، کراچی

شبانہ صدیقی، حیدر آباد

نگہت سعید، کراچی

عادل انور انصاری، لطیف آباد

ستمبر ۱۹۸۶ء میں

ہمدرد نونہال

کا شان دار خاص نمبر شائع ہو رہا ہے

بچوں کا سب سے بڑا اور سب سے مقبول رسالہ ہمدرد نونہال اس سال بھی اپنا خاص نمبر شائع کر رہا ہے۔

خاص نمبر میں وہ سب کچھ ہوگا جو نونہال چاہتے ہیں، جو ہمدرد نونہال کی خصوصیت ہے، جس کو بڑے بھی پڑھتے ہیں۔
کہانیاں، طنز و مزاح، حکایتیں، سائنسی مضامین، لطیفے، معلومات، کارٹون، ایک مکمل طویل کہانی، مشہور ادیبوں کی تحریریں، معلوماتِ عامہ، طبّی سوال و جواب، تحفے اور انعامات۔

ہمدرد نونہال کے خاص نمبر کے ساتھ آپ کو ایک تُحفہ بھی ملے گا

خوب صورت رنگین سرورق - ۲۷۲ صفحات - قیمت پچھلے سال سے بھی کم صرف ۷ رُپے

(ابھی سے پیسے جمع کر لیجیے)

ناظم ہمدرد نونہال، ہمدرد سنٹر، ناظم آباد، کراچی ۱۸

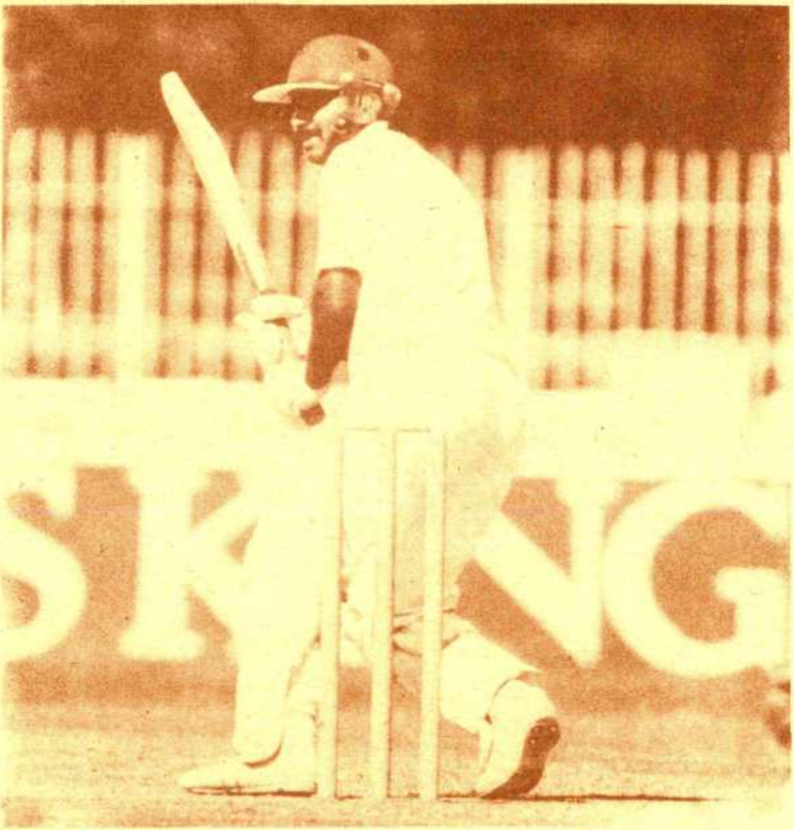

پاکستان میں ورلڈ کپ کرکٹ

میاں داد میزبانی کی تیاریوں کو جیتنے کی تیاریوں میں بدل سکتے ہیں

ساجد علی ساجد

کھیلوں کی دنیا میں ورلڈ کپ کے مقابلے عام طور پر کھیل کے سب سے بڑے مقابلے ہوتے ہیں۔ حال ہی میں فُٹ بال کا ورلڈ کپ میکسیکو میں کھیلا گیا ہے۔ ہاکی کا ورلڈ کپ اس سال اکتوبر

میں لندن میں کھیلا جائے گا۔ کرکٹ کے ورلڈ کپ مقابلوں کا اہتمام اگلے سال پاکستان اور بھارت مل کر کریں گے۔ آج ہمیں کرکٹ کے ورلڈ کپ کی بات کرنی ہے۔

فٹ بال کے ورلڈ کپ میں دنیا کے ملکوں کی اکثریت حصّہ لیتی ہے، لیکن ہاکی اور کرکٹ کے ورلڈ کپ مقابلوں میں کم ملک حصّہ لیتے ہیں۔ پاکستان حصّہ لینے والے ملکوں میں شامل ہے۔ ہاکی کا ورلڈ کپ جو ۱۹۸۲ء میں بمبئی میں ہوا تھا پاکستان نے جیتا تھا اور اس سال پھر پاکستان کو لندن میں کوشش کرنی ہے کہ اس کا یہ اعزاز باقی رہے۔

کرکٹ کے ورلڈ کپ مقابلے اگلے سال (۱۹۸۷ء میں) اکتوبر اور نومبر میں پاکستان اور بھارت کے مختلف شہروں میں ہوں گے۔ اس سلسلے میں پاکستان کے جن شہروں کا انتخاب کیا گیا ہے اُن میں کراچی، لاہور، پشاور، راول پنڈی، حیدر آباد، فیصل آباد اور گوجرانوالہ شامل ہیں۔ بھارت کے جن شہروں میں ورلڈ کپ کے مقابلے ہوں گے ان میں بمبئی، دہلی، کلکتہ، مدراس اور کان پور شامل ہیں۔ کلکتہ کے ایڈین گراؤنڈ میں جہاں اسّی ہزار تماشائیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے ورلڈ کپ کا فائنل کھیلا جائے گا۔

اس سے پہلے کے کرکٹ کے تینوں ورلڈ کپ لندن میں ہوئے تھے۔ پہلا ورلڈ کپ ۱۹۷۵ء دوسرا ۱۹۷۹ء اور تیسرا ۱۹۸۳ء میں کھیلا گیا تھا۔ پہلے دونوں ورلڈ کپ ویسٹ انڈیز کی کرکٹ ٹیم نے جیتے تھے۔ تیسرا ورلڈ کپ بھارتی کرکٹ ٹیم نے جیت کر سب کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔

پاکستان میں ورلڈ کپ منعقد کرنے پر پانچ کروڑ رُپے خرچ ہوں گے۔ ان مقابلوں کے لیے زور و شور سے تیاریاں جاری ہیں اور لاکھوں رُپے کے صرفے سے پاکستان کے مختلف شہروں میں کرکٹ اسٹیڈیم کی مرمّت کی جا رہی ہے، جن میں کراچی کا نیشنل اسٹیڈیم بھی شامل ہے۔ ورلڈ کپ ٹورنامنٹ میں میزبان پاکستان اور بھارت کے علاوہ ویسٹ انڈیز، انگلستان، آسٹریلیا اور سری لنکا کی کرکٹ ٹیمیں حصّہ لیں گی۔ ان ٹیموں میں ویسٹ انڈیز کو سب سے مضبوط ٹیم سمجھا جاتا ہے، جس نے اب تک کھیلے جانے والے ۱۱۸ ایک روزہ کرکٹ میچوں میں سے ۹۱ میچ جیتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ویسٹ انڈیز کی ٹیم ۱۹۸۳ء کا ورلڈ کپ اور ۱۹۸۴ء میں آسٹریلیا میں ہونے والی ورلڈ کرکٹ چیمپین شپ نہیں جیت سکی تھی۔ ویسٹ انڈیز کے علاوہ جو ٹیم ایک روزہ کرکٹ کی ماہر سمجھی جاتی ہے وہ بھارتی کرکٹ ٹیم ہے۔ بھارتی ٹیم ۱۹۸۷ء کا ورلڈ کپ جیتنے اور اپنے اعزاز کو

برقرار رکھنے کی پوری پوری کوشش کرے گی۔

خوش قسمتی سے پچھلے مہینوں میں ایک روزہ کرکٹ میچوں میں پاکستانی کرکٹ ٹیم کا رِکارڈ بھی اچھا خاصا رہا ہے۔ پچھلے سال پاکستانی ٹیم نے کُل اکیس ایک روزہ میچ کھیلے، اُن میں سے پندرہ میچ جیت لیے اور صرف پانچ میچوں میں شکست کھائی۔ ان میں سے پاکستان نے چار میچ ویسٹ انڈیز سے اور ایک میچ بھارتی ٹیم سے ہارا۔ پاکستان کی کام یابیوں میں سب سے اہم کام یابی اُسے شارقہ میں منعقدہ آسٹریلیشیا کپ فائنل میں بھارت کے خلاف حاصل ہوئی۔ اس سے پہلے پاکستان ایشیا کپ فائنل میں سری لنکا سے ہار چکا تھا، مگر آسٹریلیشیا کپ نے اس ناکامی کا داغ دھو دیا۔

جاوید میانداد کی شان دار کارکردگی

آسٹریلیشیا کپ فائنل جاوید میانداد کی شان دار کارکردگی کی وجہ سے یادگار رہے گا۔ ایک روزہ میچ اس لیے دل چسپ ہوتے ہیں کہ وہ بڑے دل چسپ انداز میں ختم ہوتے ہیں۔ اکثر ایسے مقابلوں میں آخری اُوور بلکہ آخری گیند تک یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس کی جیت ہو گی۔ شارقہ کا یہ میچ بھی ایسا ہی میچ تھا، جس میں بھارت نے اچھا خاصا اسکور کر لیا تھا، جس کے بعد پاکستان کی کام یابی دشوار بلکہ ناممکن نظر آرہی تھی، مگر میانداد نے اپنی کارکردگی سے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ اور اسے ایک تاریخی میچ بنا دیا۔ خاص طور پر آخری گیند پر اُن کا چھکّا کرکٹ کے شائقین کبھی نہیں بھلا سکیں گے۔ آخری دو اُووروں میں پاکستان کو ۱۸ رن بنانے تھے، جو آسان کام نہیں تھا۔ کپیل دیو نے اُوور کیا تو سات رن بنے۔ اس کے بعد پاکستان کو آخری اُوور میں گیارہ رن بنانے تھے۔ پہلی گیند پر دوسرا رن بنانے ہوئے وسیم اکرم رن آؤٹ ہو گئے۔ اب پانچ گیندیں، دس رن اور دو وکٹیں باقی رہ گئی تھیں۔ جاوید میانداد نے دوسری گیند پر تالیوں کی گونج میں لانگ آن پر ایک چوکا لگایا۔ اب صرف چھے رن رہ گئے۔ تیسری گیند پر راجر بنی نے اتنی اچھی فیلڈنگ کی کہ صرف ایک رن بن سکا اور میانداد دوسری طرف چلے گئے۔ چوتھی گیند پر ذُوالقرنین ہٹ لگاتے ہوئے بولڈ ہو گئے۔ توصیف احمد وکٹ پر آئے۔ دوسری طرف کھڑے میانداد بڑی پُرامید نگاہوں سے اُنھیں دیکھ رہے تھے۔ توصیف نے انھیں مایوس نہیں کیا اور کسی نہ کسی طرح ایک رن لے لیا۔ اس ایک رن کی اہمیت یہ تھی کہ اگر توصیف یہ رن نہ لیتے تو پاکستان جیت

نہیں سکتا تھا۔ اب آخری گیند پر پاکستان کو جیتنے کے لیے چار رن بنانے تھے۔ پورے میدان میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ لوگ دم سادھے بیٹھے تھے۔ بھارتی بولر چیتن شرما کی آخری گیند پر میانداد نے چھکّا لگا کر پاکستان کو تاریخی کامیابی عطا کی۔ محدود اُووَرز کے کسی بین الاقوامی ٹورنامنٹ میں پاکستان کی یہ پہلی کامیابی تھی۔ جاوید میانداد نے ۱۳۱ گیندوں پر تین چھکّے اور تین چوکے لگا کر ۱۱۶ رن بنائے اور آؤٹ نہیں ہوئے۔

اس طرح ایشیا کپ اور آسٹریلیشیا کپ کے مقابلوں کے بعد جاوید میانداد کا ایک روزہ انٹرنیشنل کرکٹ کیریئر رِکارڈ یہ ہو گیا ہے: ۹۱ میچوں میں ۸۸ اننگز، ۱۹ مرتبہ ناٹ آؤٹ، ۲۸۰۸ رن، سب سے زیادہ اسکور ۱۱۹ ناٹ آؤٹ، اوسط ۴۰ اعشاریہ ۷ رن، تین سنچریاں، ۱۹ نصف سنچریاں، ۳۵۲ گیندیں، تین میڈن، اُووَرز ۲۰۹ رن ۵ وکٹیں۔ اوسط : ۴۱ اعشاریہ ۸۰ رن۔ بہترین بولنگ ۲۲ رن دو وکٹیں۔

جاوید میانداد نے بلاشبہ اپنی کارکردگی کے ذریعے سے پاکستانی کرکٹ ٹیم میں نئی روح پھونک دی ہے۔ انھوں نے اگر اپنی یہ روایت قائم رکھی اور دوسرے پاکستانی کھلاڑی بھی جاوید میانداد سے متاثر ہو کر اچھا کھیلے تو پاکستانی کرکٹ ٹیم اگلے سال ورلڈ کپ جیتنے کی تمنّا کر سکتی ہے۔

حکایت مولانا روم

ایک بوڑھا شخص کسی سنار کے پاس گیا اور اس سے ترازو مانگی کہ مجھے سونا تولنا ہے۔ سنار نے کہا، "جاؤ، میرے پاس جھاڑو نہیں ہے۔" اس نے کہا، "میں ترازو مانگ رہا ہوں۔" سنار نے کہا، "میرے پاس چھلنی نہیں ہے۔" بوڑھے نے جھلا کر کہا، "کیا واہی تباہی بک رہے ہو۔ میں ترازو مانگتا ہوں تم جھاڑو اور چھلنی کی بات کرتے ہو۔"

سنار نے کہا، "ایک تو تمھارا ہاتھ کانپتا ہے، دوسرے تمھارے سونے کے ذرّے باریک ہیں، تم یقیناً تولتے وقت سونا گرا دو گے۔ پھر میرے پاس آؤ گے کہ جھاڑو دو، اُسے سمیٹوں اور سمیٹنے کے بعد کہو گے مجھے چھلنی دو تاکہ صاف کر لوں۔ میں نے شروع ہی سے سب کچھ بھانپ لیا تھا۔ جاؤ کسی اور سے ترازو مانگو۔"

مرسلہ: کاشف عزیز، کراچی

صحت مند نونہال

نوشین کنول، کراچی

رضوان محمد شریف

سید قمر رضا رضوی، کراچی

محمد بہرام بلوچ، کراچی

محمد سجاد قریشی، دھنوٹ

اختر انجم، بلدیہ روڈ

مجید احمد ساجد، دھنوٹ

سید شہزاد عالم، کراچی

منذر حسین، لاڑکانہ

عبدالخالق، کراچی

ثنا غضنفر پروین، سکھر

شان احمد، لطیف آباد

محمد علی شیخ، نواب شاہ

شکوہ احمد، لطیف آباد

پھوڑے پھنسی اور
خارش کا ایک علاج
مگر فساد خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے
خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے
پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جِلدی بیماریوں
کو جنم دیتے ہیں - ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی
کے ساتھ استعمال کیجئے - خُون کی صفائی اور جِلدی
بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے -
جڑی بوٹیوں
سے تیار شدہ
صافی
ہمدرد
SAFI
صافی
BLOOD PURIFIER
سے خون بھی صاف ، جلد بھی صاف

مُسکراتے رہو

ایک امریکی اپنے دوست سے ملنے اوسٹریلیا گیا۔ دوسرے دن اوسٹریلوی دوست اسے سیر کرانے لے گیا۔ سامنے ایک پُل تھا۔ اوسٹریلوی نے کہا، "دیکھیے کتنا خوب صورت پُل ہے!"

"یہ تو کچھ بھی نہیں۔" امریکی منھ بنا کر بولا۔ اوسٹریلوی شرمندہ ہو کر بولا، "اچھا! اس پارک کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

امریکی بولا، "ہمارے امریکا میں اس سے کہیں زیادہ اچھے پارک ہیں۔" دونوں چلتے چلتے ایک میدان میں پہنچے تو ایک کینگرو پھدکتا ہوا اس کے سامنے سے گزر گیا۔ امریکی نے یہ جانور پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے بولا، "ہاں آپ کے ٹڈے ہمارے ٹڈوں سے کچھ بڑے ہوتے ہیں۔"

مرسلہ: محمد قیصر فہیم، لاہور

ایک بچہ بیکری میں گیا اور پیسٹری لے کر کھانے لگا۔ پیسٹری بہت مزے دار تھی۔ وہ دوسری پیسٹری کھانا چاہتا تھا، مگر اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔ وہ سوچنے لگا اور آخر وہ بیکری کی مالکن کے پاس گیا اور کہنے لگا، "کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

مالکن مسکرا کر بولی، "ضرور، لیکن تم ابھی بچے ہو، جب بڑے ہو جاؤ گے تو ضرور شادی کروں گی۔"

بچہ کہنے لگا، "کیا تم اپنے ہونے والے شوہر کو ایک پیسٹری بھی نہیں کھلا سکتیں؟"

مرسلہ: پرکاش کمار، شہداد کوٹ

ایک صاحب سینما میں پان کھاتے ہوئے فلم دیکھ رہے تھے۔ جب انھیں پان کی پیک تھوکنے کی ضرورت ہوئی تو پریشانی کے عالم میں ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ یہ دیکھ کر پچھلی نشست سے ایک صاحب نے ازراہِ ہمدردی پریشانی کی وجہ پوچھی۔ انھوں نے وجہ بتائی تو وہ صاحب بولے، "کوئی بات نہیں، آپ ایسا کریں کہ اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے کسی صاحب کے کوٹ کی جیب میں پیک تھوک دیجیے۔" پہلے شخص نے غصّے سے کہا، "اور اگر اسے پتا چل گیا تو؟" ان صاحب نے جواباً کہا، "ارے بھائی! جب آپ کو پتا نہیں چلا

تو اُن کو کیسے پتا چلے گا۔"

پریس میں اردو کا پرچہ چھپنے گیا اُس میں ایک سوال تھا "ماضی شکیلہ کو بنانے کا طریقہ بیان کریں۔" جب پرچہ چھپ کر آیا تو سوال کی عبارت کچھ یوں تھی :

"ماسی شکیلہ کو منانے کا طریقہ بیان کریں۔"

ایک چھوٹا لڑکا کسی گھر کی گھنٹی تک ہاتھ پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک نیک دل بڑے میاں نے دیکھا تو گھنٹی بجادی اور بولے، "لو میاں، اور بتاؤ اور کیا خدمت ہے ؟"

لڑکے نے جلدی سے کہا، "آپ بھی بھاگیں اور میں بھی ورنہ پٹائی ہو جائے گی گھر کا مالک نکلنے ہی والا ہو گا۔" مرسلہ: جمیل احمد خان، عقیل احمد خان، کراچی

ایک فقیر دوسرے فقیر سے اپنا رونا رو رہا تھا، "میری تو قسمت ہی خراب نکلی۔ میرا لڑکا آوارہ ہو گیا ہے۔ بھیک تو مانگتا ہی نہیں۔ کپڑے بھی گندے نہیں پہنتا اور اب کہتا ہے کہ پڑھنے جاؤں گا۔"

مرسلہ: مامون اکبر کنڈی، ڈیرہ اسماعیل خاں

ایک شہری گاؤں پہنچا تو اس نے کسان سے پوچھا، "یہ جو سامنے گائے نظر آ رہی ہے اس کے سینگ کیوں نہیں ہیں ؟"

کسان بولا، "سینگ نہ ہونے کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ بعض کے سینگ ٹوٹ جاتے ہیں اور بعض کے سینگ ہی نہیں ہوتے، لیکن وہ سامنے والی گائے نہیں گھوڑا ہے۔" مرسلہ: فوزیہ تبسم، ملیر کالونی

ماں: (بیٹے سے) ارشد! کیوں رو رہے ہو؟"

ارشد: آج ماسٹر صاحب نے کلاس سے باہر نکال دیا تھا"

ماں: ضرور تم نے کوئی شرارت کی ہو گی۔"

ارشد: قسم لے لو امّاں، جو میں نے شرارت کی ہو میں تو سویا ہوا تھا۔" مرسلہ: فیصل مجید، اسلام آباد

ایک استانی نے بچّوں کے ساتھ گروپ فوٹو کھنچوایا۔ جب فوٹو آگیا تو بچّوں کو فوٹو دکھا کر بولیں، "بچّو! جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو کہو گے : یہ حامد ہے جو اب انجینئر بن گیا ہے۔ یہ طارق ہے جو کمشنر بن گیا ہے۔"

ایک لڑکا معصومیت سے بولا، "یہ ہماری مس تھیں جن کا انتقال ہو گیا ہے۔"

مرسلہ: عرفان امین، ٹنڈو محمد خان

نائی: (بچّے سے) تمھارے بال کیسے کاٹوں ؟"

بچّہ: "جیسے میرے ابّو کے ہیں۔"

نائی: "وہ کیسے ہیں ؟"

بچّہ: درمیان میں سے صاف، اردگرد جھالر۔"

مرسلہ: ریحانہ راؤ، سرگودھا

ایک آدمی ریل گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ جب بھی گاڑی رُکتی وہ آدمی جلدی سے اُترتا اور اگلے اسٹیشن تک کا ٹکٹ خرید لاتا۔ آخر ایک آدمی نے پوچھا، "یہ آپ کیا کر رہے ہیں ؟"

اس آدمی نے جواب دیا، "ڈاکٹر نے مجھے لمبا سفر کرنے سے منع کیا ہے۔" مرسلہ: محمد احسان، کراچی

اسٹیشن ماسٹر: (کانٹا بدلنے والے سے) اگر تم دیکھو کہ آمنے سامنے سے دو ریل گاڑیاں ایک ہی لائن پر چلتی آ رہی ہیں تو تم کیا کرو گے؟

کانٹا بدلنے والا: میں فوراً کانٹا بدل کر ایک گاڑی کو دوسری لائن پر ڈال دوں گا۔

"اگر کانٹے کا لیور جام ہو جائے تو؟"

"میں لال جھنڈی لے کر لائن پر کھڑا ہو جاؤں گا۔"

"اگر دونوں ڈرائیور تمھیں نہ دیکھ سکیں تو؟"

"میں دوڑ کر اپنی ماں کو بُلا لاؤں گا۔"

"تمھاری ماں کیا کرے گی؟"

"وہ اکثر کہتی ہے کہ اس نے گاڑیوں کی ٹکر کبھی نہیں دیکھی۔" مرسلہ: ایم سعود اعوان، لاڑکانہ

ایک لڑکے نے اپنے ابّو کو خط لکھا کہ میں اب اردو میں بہت "کابل" ہوتا جا رہا ہوں۔ باپ نے جواب میں لکھا:

"بیٹا! کابل سے واپسی کے بعد مجھے دوسرا خط لکھ دینا۔"

ایک کنجوس سیٹھ کا ملازم سیٹھ کو حساب دکھا رہا تھا، جس میں بلّی کے کھانے پر چار آنے خرچ ہوئے تھے۔

سیٹھ نے کہا، "اگر گھر میں چوہے ہیں تو بلّی کو کھانا دینے کی ضرورت نہیں اور اگر چوہے نہیں ہیں تو بلّی کی ضرورت نہیں۔" مرسلہ: شکیل احمد، جمرود

ایک بوڑھی عورت بس کی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بس ایک بڑی سی عمارت کے پاس سے گزری تو عورت نے اپنی چھڑی سے ڈرائیور کی پیٹھ پر ٹھوکا دیا اور بولی، "کیا یہ نیشنل بینک کی عمارت ہے؟"

ڈرائیور نے جواب دیا، "نہیں امّاں! یہ میری پیٹھ ہے۔" (نام لکھنا بھول گئے)

استاد: (شاگرد سے) بتاؤ اکبر بادشاہ کی وفات کے بعد کیا ہوا؟

شاگرد: ہونا کیا تھا، اسے نہلا دُھلا کر دفن کر دیا۔ مرسلہ: عبدالودود گوہر، کراچی

استاد: (شاگرد سے) بتاؤ عمر کوٹ کہاں ہے؟

شاگرد: عمر تو میں موجود ہوں، مگر کوٹ میں گھر بھول آیا ہوں۔ مرسلہ: عابدہ جان محمد، کراچی

"اگر تم نے فیس ادا نہ کی تو تمھیں امتحان میں بیٹھنے نہیں دیا جائے گا۔" استاد نے شاگرد سے کہا۔

"ٹھیک ہے جناب، بس کھڑے ہو کر ہی امتحان دے لوں گا۔" شاگرد نے جواب دیا۔

مرسلہ: نعیم رضا، کراچی

ماسٹر نے پڑھاتے ہوئے ایک لڑکے سے سوال پوچھا، لڑکا جواب نہ دے سکا۔ اس نے کچھ دیر کھڑا رہنے کے بعد دوسرے لڑکے سے پوچھنے کی کوشش کی۔ دوسرے لڑکے نے پہلے لڑکے کے کان میں کہا، "ماسٹر صاحب تو ظالم ہیں؟"

یہ دیکھ کر ماسٹر نے چلّا کر کہا، "تُو کیوں بتاتا ہے؟ کیا اسے معلوم نہیں!" مرسلہ: ندیم شہزاد، جام شورو

اس شمارے کے مشکل الفاظ

نونہالوں کی خواہش پر ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا جارہا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔
یہ اشارے اس طرح لکھے ہوں گے، ع: عربی، ف: فارسی، ہ: ہندی، س: سنسکرت، ت: ترکی، انگ: انگریزی، ا: اردو۔

استادِ معنوی: (ف) اُس تا دے مَع نَوِی: جو باقاعدہ استاد نہ ہو لیکن جس سے سیکھا گیا ہو۔

خِرد: (ف) خِ رَ دْ: عقل، دانائی۔

ہنرور: (ف) ہُ نَرْ وَ رْ: دست کار، ہنر جاننے والا، باکمال۔

کایا پلٹ: (ہ) کا یا پَ لَٹْ: بڑی تبدیلی، شکل بدل جانا، طبیعت کا بالکل بدل جانا، کچھ کا کچھ ہو جانا۔

مخدوش: (ع) مَخْ دُو شْ: خطرناک

خَستہ: (ف) خَسْ تَہْ: زخمی، شکستہ، رنجیدہ، بھربھرا۔

کھلیان: (ہ) کھَلْ یَا نْ: وہ جگہ جہاں غلّہ رکھتے ہیں، انبار۔

یارا: (ف) یَا رَ ا: جرأت، جسارت، قدرت، طاقت۔

سُو: (ف) سُو: سمت، جانب، طرف۔

جا: (ف) جَا: جگہ، مقام، موقع۔

فدوی: (ع) فِدْ وِ ی: قربان ہونے والا، کسی بڑے مرتبے کے انسان کو عرضی لکھتے وقت آخر میں اپنے لیے فدوی لکھتے ہیں۔

طاق ہونا: (ع) طَاقْ ہونا: ماہر ہونا۔

موصل: (ع) مُوْ صِلْ: پہنچانے والا، کنڈکٹر۔

فی البدیہہ: (ع) فِلْ بَدِ ہی ہْ: فوراً کہنا، بے سوچے کہنا۔

مرطوب: (ع) مَرْ طُو بْ: تر، گیلا، بھیگا ہوا، سیلا ہوا۔

محور: (ع) مِحْ وَ رْ: جس پر کوئی چیز گھومے، چاک کی کیلی، وہ دُھرا جس پر پہیّا گردش کرتا ہے۔

پُرشکوہ: (ف) پُرْ شُ کُو ہْ: شان و شوکت، دبدبہ۔

فیاضی: (ع) فَیّ یَا ضِی: سخاوت، دریا دِلی۔

لواحقین: (ع) لَوَ ا حِقِینْ: گھر کے لوگ، بیوی، بچّے اور رشتے دار۔

الطاف: (ع) اَلْ طَا فْ: لُطف کی جمع، مہربانیاں، عنایتیں۔

عامر: (ع) عَا مِرْ: آباد، آباد کرنے والے۔

راس آنا: (ا) رَاسْ آ نا: موافق ہونا۔

کسر: (ع) کَسْرْ: کمی، نقص

مگن: (س) مَ گَ نْ: غرق، ڈوبا ہوا، بے خود، مست۔

شادکام: (ف) شَا دْ کَا مْ: خوش و خرم، کام یاب، خوش حال۔

زیرک: (ف) زِ ی رَکْ: دانا، دانش ور

منصف: (ع) مُنْ صِفْ: عادل، انصاف کرنے والا، جج۔

منتخب کہانیاں

جب آنکھ کھلی

مشہود حق، کراچی

سرجن قادر کا شان دار اور پُرشکوہ ہسپتال شہر کی معروف ترین شاہ راہ پر واقع تھا، جس کی پیشانی پر سرجن قادر کی ڈگریوں کی تفصیلات درج تھیں۔ قدرت کی اس قدر فیاضی کے باوجود ان کا دل رحم اور ہمدردی کے جذبات سے محروم تھا۔ شاید لاشوں کے دیکھنے اور جسموں کی چیر پھاڑ نے انھیں بے حس کر دیا تھا اسی لیے ان کا دل فولاد کی طرح سخت تھا یا شاید تھا ہی نہیں، لیکن ایک دن خدا نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ وہ اٹھارہ اگست کی چلچلاتی دوپہر تھی۔ آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ دنیا کو منور کر رہا تھا۔ شاید ساڑھے بارہ بجے ہوں گے۔ سرجن صاحب اپنے سجے سجائے آفس میں آرام فرما رہے تھے کہ انھیں اپنے چپراسی گل محمد کی آواز سنائی دی۔ وہ شاید کسی کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ سرجن صاحب نہیں مل سکتے، لیکن وہ شخص برابر اصرار کیے جا رہا تھا۔ آخر وہ شخص غصّے میں یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ "تمھارے سرجن کے دل میں کسی باپ کا دکھ محسوس کرنے کی صلاحیت نہیں ہے کیا؟ کیا وہ بے اولاد ہیں جو کسی باپ کا درد محسوس نہیں کر سکتے؟ اگر ان کا اپنا بیٹا اس طرح موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہوتا تو وہ محسوس کرتے کہ ایک بے بس باپ کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔"

سرجن قادر نے غصّے میں آگ بگولا ہو کر گل محمد کو جھڑکیاں دیں۔ ابھی سرجن قادر کا موڈ ٹھیک بھی نہیں ہوا تھا کہ ڈاکٹر وسیم گھبرائے ہوئے آئے، "سر، ایک نوجوان سخت زخمی حالت میں لایا گیا ہے۔ اس کی حالت بہت خراب ہے۔ سر، جلدی آیئے۔"

سرجن قادر نے ڈاکٹر وسیم کو ڈانٹتے ہوئے کہا، "آپ کو نہیں معلوم کہ میں کسی کو بارہ سے دو بجے کے درمیان نہیں دیکھتا۔" ڈاکٹر وسیم کے بے حد اصرار پر سرجن قادر نے کہا، "پہلے مریض کے لواحقین سے پانچ ہزار روپے ایڈوانس لے کر مریض کو داخل کریں، میں آتا ہوں۔"

ڈاکٹر وسیم نے جواب دیا، "سر، اُسے تو راہ گیر اُٹھا کر لائے ہیں۔ ویسے میں نے اس کے شناختی کارڈ پر لکھے

ہوتے پتے پر آدمی بھیج دیا ہے، اس کے گھر والے آرہے ہوں گے۔"

سرجن قادر یہ کہتے ہوئے دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گئے،" جب پیسوں کا بندوبست ہو جاتے تب ہی میں کچھ کر سکتا ہوں۔" ان کا جملہ ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ باہر سے چیخنے چلانے کی آواز آئی۔ سرجن قادر اور ڈاکٹر وسیم گھبرائے ہوئے چیمبر سے باہر نکل آئے۔ بیگم قادر غصے میں بھری ہوئی ان کی طرف بڑھیں اور ان کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا،" ظالم، تم نے میرے بیٹے کو مار ڈالا۔" ڈاکٹر قادر کو یوں محسوس ہوا جیسے زمین و آسمان ہل گئے ہوں اور وہ بیٹے کی خون میں لتھڑی ہوئی لاش سے لپٹ کر سسکیاں لینے لگے۔

خوشی کے آنسو

صبیح الدین خان

آج کا دن میرے لیے بہت ہی اچھا دن تھا، کیوں کہ آج میری سال گرہ کا دن تھا۔ تمام گھر والے کاموں میں مصروف تھے۔ امی باورچی خانے میں کام کاج میں مصروف تھیں۔ باجی سال گرہ کے کارڈوں پر نام لکھنے میں مصروف تھیں اور میں گھر سجانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ میں ابھی تمام چیزوں کو سجا کر جھنڈیاں وغیرہ لگانے کے بعد بیٹھا ہی تھا کہ امی نے کارڈوں والا تھیلا میرے ہاتھ میں تھما دیا اور کہا،" بھائی جان کے ساتھ اسکوٹر پر جا کر یہ کارڈ بانٹ آؤ۔" بھائی جان نے اسکوٹر نکالی اور ہم دونوں بھائی کارڈ بانٹنے چلے گئے۔

کارڈ بانٹ کر واپس گھر میں داخل ہوتے ہی تھے کہ امی نے کھانوں کی چیزوں کی فہرست ہاتھ میں تھما دی۔ ہم دونوں بھائی ایک مرتبہ پھر اسکوٹر پر خریداری کے لیے روانہ ہو گئے۔ بازار سے خریداری کر کے ابھی ہم واپس آ ہی رہے تھے کہ میں نے چند گاڑیوں کے پیچھے اور دیواروں پر چند پوسٹر لگے ہوئے دیکھے۔ میں نے بھائی جان سے کہا،" بھائی جان، یہ کس قسم کے پوسٹر لگے ہوئے ہیں؟" بھائی جان نے کہا،" بھئی یہ تو قریب جا کر ہی پتا چلے گا۔" جب ہم نے قریب جا کر دیکھا تو اس پوسٹر میں ہمارے برادر اسلامی ملک بنگلہ دیش کے سیلاب زدگان کی کچھ تصویریں تھیں اور سیلاب کی تباہ کاریوں کا حال لکھا ہوا تھا۔ نیچے لکھا تھا:

"اپنے برادر مسلمان بھائیوں کے لیے صدارتی فنڈ میں دل کھول کر عطیات دیجیے۔"

میں نے پوسٹر پڑھ کر فیصلہ کیا کہ میں بھی اپنے برادر اسلامی ملک بنگلہ دیش کے عوام کے لیے صدارتی فنڈ میں پیسے جمع کراؤں گا۔ میں نے بھائی جان سے کہا،" میں بھی صدارتی فنڈ میں کچھ پیسے جمع کرانا چاہتا ہوں۔" بھائی جان نے کہا،" یہ تو بہت اچھی بات ہے، لیکن یہ بتاؤ تمھارے پاس کتنے پیسے جمع ہیں؟"

"بھائی جان، میں نے اپنے جیب خرچ سے بچا کر پچاس رُپے جمع کیے ہیں۔ میں یہی پیسے فنڈ میں جمع کرانا چاہتا ہوں۔"

بھائی جان نے کہا، "میرے پاس بھی سو رُپے ہیں۔ ہم دونوں اپنے اپنے پیسے جمع کرا دیتے ہیں۔"

"لیکن بھائی جان، یہ پیسے جمع کہاں کرواتے ہیں؟"

بھائی جان نے کہا، "تم نے پڑھا نہیں؟ یہ عطیات تمام بینکوں میں جمع کیے جا رہے ہیں۔"

پھر تو ہم اپنے پیسے گھر کے قریب ہی بینک میں جمع کرا دیں گے۔" ہم دونوں نے گھر آکر ساری سال گرہ کی چیزیں امی کو دیں اور اپنے اپنے پیسے لے کر واپس جانے لگے۔ امی نے ہمیں واپس جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا، "ابھی تو آئے ہو، اب کہاں جا رہے ہو؟"

میں نے اور بھائی جان نے امی کو بنگلہ دیش کے سیلاب زدگان کے متعلق ساری تفصیل بتائی اور کہا کہ ہم اپنے اپنے جمع کیے ہوئے پیسے بینک میں جمع کروانے جا رہے ہیں۔ امی یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور ہمیں شاباش دیتے ہوئے کہا، "یہ تو بہت اچھا کام ہے، لیکن ابھی تھوڑی دیر میں تمام مہمان آنے والے ہیں وہ سب آکر تمھارے بارے میں پوچھیں گے۔" امی نے ہمیں سمجھاتے ہوئے کہا، "میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔ ایسا کرو تم اپنے پیسے اور جو سال گرہ میں پیسے آئیں وہ سب ملا کر کل صدارتی فنڈ میں جمع کروا دینا۔"

مجھے امی کی یہ تجویز بہت پسند آئی۔ شام کو میں نے اپنی سال گرہ میں آنے والے اپنے تمام دوستوں کو بنگلہ دیش کے سیلاب زدگان کے متعلق بتایا اور یہ بھی بتایا کہ میں اور بھائی جان اپنے جمع کیے ہوئے پیسے کل صدارتی فنڈ میں جمع کرائیں گے۔

رات کو سب مہمانوں کے جانے کے بعد امی نے جب سال گرہ میں وصول ہونے والے پیسے گنے تو پورے تین سو رُپے تھے۔ امی نے کہا، "تین سو رُپے یہ رہے اور پچاس میری طرف سے۔ ڈیڑھ سو تمھارے اور بھائی جان کے جمع کیے ہوئے سب ملا کر پانچ سو رُپے بنتے ہیں۔ کل تم جا کر ان کو صدارتی فنڈ میں جمع کرا دینا۔"

دوسرے دن جب میں اور بھائی جان بینک میں پیسے لے کر گئے تو دیکھا کہ چند دوسرے لوگ اور میرے تمام دوست بھی صدارتی فنڈ میں پیسے جمع کروا رہے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر جتنی خوشی ہوئی اتنی اپنی سال گرہ پر کبھی نہیں ہوئی تھی۔

میری آنکھوں میں آنسو آگئے، لیکن یہ آنسو خوشی کے تھے۔

آج کا نونہال ـ کل کا کامیاب معالج

اسے سرفرازیٔ پاکستان کے لیے تیار کیجیے

انسان جتنا صحت مند ہوگا اس کا مستقبل بھی اتنا ہی تابناک ہوگا۔ آپ کا یہ ننھا منا بچہ کل کے مضبوط، مستحکم اور صحت مند پاکستان کی امانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس میں ایک بڑی شخصیت پوشیدہ ہے... ہوسکتا ہے یہ ایک نامور معالج بن کر اپنے وطنِ عزیز کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے۔

اس کی صلاحیتوں کو ابھارنے اور شخصیت کو نکھارنے کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ اس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھائیے۔ اپنے بچے کی پرورش نہایت محنت، محبت اور توجہ سے کیجیے تاکہ کل یہ ایک مضبوط اور توانا جسم، بہتر تعلیم اور صحت مند ذہن کے ساتھ ملک و ملت کی خدمت کر سکے۔

نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، اسہال، قے، بے خوابی، پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے مفید و مؤثر دوا ہے۔ دانت آنے کے زمانے میں اس کا استعمال ضروری ہے۔

اداب اخلاق

لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر اور زمین پر اکڑ کر نہ چل۔

Adarts 4/84

نونہال ادیب

حمد

مرسلہ: رئیس احمد خاں، کراچی

سب کا آقا اللہ ہے
سب کا مولا اللہ ہے
آئے نظر نہ ہم کو مگر
ہر سُو ہر جا اللہ ہے
جس کا سہارا کوئی نہ ہو
اس کا سہارا اللہ ہے
یہ دنیا فانی ہے بچّو
بس رہنے والا اللہ ہے

قرآن

مرسلہ: ہما شاداب محمد زماں خانزادہ، حیدرآباد

سمجھ کر جو قرآن پڑھنے لگو گے
تو دُنیا میں پھر سے اُبھرنے لگو گے

ہر اک لفظ سے نورِ ایماں ملے گا
ہر اک سمت راحت کا ساماں ملے گا
اُمیدوں سے پُر اپنا داماں ملے گا
تمھیں راہ بر اپنا قرآں ملے گا
سمجھ کر جو قرآن پڑھنے لگو گے
تو دنیا میں پھر سے اُبھرنے لگو گے

کرو گے غریبوں کی امداد تم ہی
سُنو گے یتیموں کی فریاد تم ہی
رہو گے ہر اک غم سے آزاد تم ہی
کرو گے مساجد کو آباد تم ہی
سمجھ کر جو قرآن پڑھنے لگو گے
تو دنیا میں پھر سے اُبھرنے لگو گے

ہر اک حکم اللہ کا مان لو گے
رسولِ خدا سے محبّت کرو گے
سمجھ کر جو قرآن پڑھنے لگو گے
تو دنیا میں پھر سے اُبھرنے لگو گے

پشیمانی

مرسلہ: محمد نصر اللہ صدیقی کاشی

کسی شہر میں ایک چور رہا کرتا تھا جو گنٹے کے ڈھکن چرا کر فروخت کر دیتا تھا۔ وہ روز چھے سات ڈھکن مختلف محلّوں سے چرا کر فروخت کر دیتا، جس سے اُسے اچھی خاصی رقم مل جاتی۔ اس کی ایک بیوی اور ایک لڑکا تھا۔ اس کا لڑکا چوتھی کلاس میں پڑھتا تھا۔ وہ پڑھنے میں بے حد ذہین تھا۔ اس کا شمار اسکول کے ذہین لڑکوں میں ہوتا تھا۔

حمید کی بیوی جب بھی اس سے اس کے کام کے بارے میں پوچھتی وہ اصل بات کو پوشیدہ رکھتے ہوئے کہتا، "محنت کرتا ہوں۔ اب آیندہ کام دام کے متعلق کچھ نہیں پوچھنا۔ آخر تمھیں کتنی دفعہ بتاؤں گا کہ میں محنت کرتا ہوں۔"

دن کا ایک بج چکا تھا، لیکن رشید ابھی تک اسکول سے گھر نہیں آیا تھا۔ حمید کی بیوی بے حد پریشان اور بے چین نظر آرہی تھی۔ وہ بار بار بے چینی سے دروازہ کھول کر جھانکتی۔ کبھی کھڑکی میں دیکھتی۔ کبھی اس کی نگاہیں گھڑیال سے ٹکراتیں۔ اچانک دروازہ کھٹ کھٹایا گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی دروازے کی طرف لپکی اور فوراً دروازہ کھول دیا۔ اس کے سامنے اس کا شوہر حمید کھڑا تھا۔

"آ... آپ آگئے۔" اس نے درد انگیز لہجے میں کہا۔

"ہاں سلمٰی، میں آگیا ہوں۔ مجھے یقین ہے تم مجھ سے ناراض ہو گی۔ دراصل کام اتنا زیادہ تھا کہ ساری رات کرنا پڑا اور میں گھر نہ آسکا۔"

"رشید ابھی تک اسکول سے گھر نہیں پہنچا۔" یکایک اس کی بیوی نے سنسنی خیز انکشاف کیا۔ "تم کیا کہہ رہی ہو سلمٰی؟" حمید نے فکرمند لہجے میں پوچھا، "تم نے اسکول فون کر کے معلوم کر لیا ہوتا۔" اس کا لہجہ ابھی تک تشویش ناک تھا۔ "میں نے پڑوس کے گھر سے فون کر کے معلوم کیا تھا۔ اسکول کی چھٹی مقررہ وقت پر ہوئی تھی۔"

"اوہ، پھر ابھی تک نہ آنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ یقیناً وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا ہے۔ خیر میں معلوم کرتا ہوں۔ ہاں، تم فکر بالکل نہ کرو اور حوصلہ رکھو۔ میں ابھی اسے اپنے ساتھ لے کر آتا ہوں۔"

حمید کو قدم من من بھاری لگ رہے تھے۔ رشید کے ہر دوست کے گھر سے یہی جواب ملا کہ رشید نہیں آیا۔ وہ تو سیدھا اپنے گھر کی طرف گیا تھا۔ آخر رشید کا ایک دوست عامر رہ گیا، لہٰذا حمید نے اس کے گھر کی طرف اپنے قدم بڑھا دیے۔

حمید جب عامر کی گلی میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک طرف بہت سے لوگوں کا ہجوم اکھٹا ہے اور لوگ مختلف قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ وہ ہجوم کو ایک طرف ہٹاتا ہوا آگے بڑھا تو اسے یکایک ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ اس کے سامنے زمین اس کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا رشید زخمی حالت میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ قریب ہی اس کا بستہ کیچڑ میں لت پت پڑا تھا۔ رشید کا گھر اسی گلی سے گزرنے کے بعد آتا تھا۔

اسکول سے چلتے وقت وہ خوشی سے سرشار نظر آرہا تھا، کیوں کہ وہ امتحان میں اوّل آیا تھا۔ وہ خوشی میں اتنا مگن تھا کہ اسے کھلا ہوا مین ہول نظر نہ آیا اور وہ گٹر میں گر پڑا۔ گٹر کا کونا اس کے سر پر لگا تھا جس سے اس کی چیخ نکل گئی۔ جسے سُن کر لوگ دوڑے آئے اور رشید کو گٹر سے نکالا۔ وہ اس وقت شدید زخمی حالت میں بے ہوش پڑا تھا۔ حمید نے کل رات کو ہی اس گٹر کا ڈھکن چُرایا تھا۔

"میرے بیٹے، میرے بچے، میں ظالم ہوں۔ میں نے ہی تجھے اس حالت تک پہنچایا ہے۔ مجھے معاف کر دے۔" یہ کہہ کر حمید دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ ہجوم حیرت اور تعجب سے اُسے تک رہا تھا اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بچّے کا باپ اپنے آپ کو ظالم کیوں کہہ رہا ہے۔

بادشاہ اور چوکی دار

مرسلہ: علی ناصر، کراچی

ایک بادشاہ تھا۔ وہ بہت عالی شان محل میں رہتا تھا۔ اس محل میں بہت سے نوکر چاکر تھے۔ اُن میں ایک چوکی دار بھی تھا، جس کا کام رات کے وقت محل کے چاروں طرف گھوم کر پہرا دینا تھا۔

ایک روز صبح کو جب سورج ابھی نکلا بھی نہ تھا چوکی دار بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا اور دست بستہ ہو کر کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ وہ بولا، "عالم پناہ! پشت ہا پشت سے فدوی نے آپ کی غلامی کی، برسوں آپ کا نمک کھایا۔ میری جان آپ پر قربان۔ رات میں نے بہت ہی پریشان کُن خواب دیکھا ہے۔ کہنے کو تو وہ ایک خواب تھا، لیکن حقِ نمک اور آپ کے لیے میری وفاداری مجھے مجبور کرتی ہے کہ جو بات مجھے پریشان کر رہی ہے آپ کے رُو برُو عرض کر ہی دوں۔"

بادشاہ نے نرمی سے کہا، "ڈرو نہیں، جو کہنا ہے بے جھجک کہہ ڈالو۔" چوکی دار کہنے لگا، عالم پناہ! خدا آپ کا سایہ رعیت پر رہتی دنیا تک قائم رکھے۔ رات میں نے جو پریشان کُن خواب دیکھا ہے، اس میں، میں نے آپ کو ایک سفر پر روانہ ہوتے ہوتے دیکھا۔ آپ سفر کر کے دوسرے شہر پہنچے اور وہاں آپ اپنے نئے تعمیر شدہ شاہی محل میں گئے۔ جب آپ اس محل میں داخل ہونے لگے تو میرے منھ میں خاک محل کا کچھ حصّہ آپ کے اوپر دھم سے آگرا اور آپ اس عمارت کے نیچے دَب گئے۔ میں ایک دَم گھبرا گیا۔ گھبراہٹ میں میری آنکھ کُھل گئی اور سیدھا یہاں پہنچ گیا۔ ویسے تو خواب کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، لیکن پھر بھی اس غلام کی التجا ہے کہ آپ یہ سفر ملتوی کر دیں اور اپنے نئے محل میں نہ جائیں۔"

بادشاہ سلامت نے چوکی دار سے کہا وہ اس کی درخواست پر غور کریں گے۔ اس روز بادشاہ نے اپنا سفر ملتوی کر دیا اور پھر جس وقت بادشاہ سلامت دوسرے شہر میں اپنے نئے محل میں پہنچنے والے تھے اچانک اس محل کا ایک حصّہ ایک دھماکے کے ساتھ

نیچے آگرا۔ چوکی دار کا خواب سچا ثابت ہوا۔ اس کے پہلے سے خبردار کر دینے کی وجہ سے بادشاہ سلامت کی جان بچ گئی۔ بادشاہ سلامت بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے چوکی دار کو انعام سے نوازنے کے لیے دربار میں بُلایا۔ جب چوکی دار حاضر ہو کر دست بستہ کھڑا ہو گیا تو بادشاہ سلامت نے سب درباریوں کو مخاطب کر کے کہا، "ہمارے اس وفادار اور نمک خوار نے ہماری جان بچائی ہے۔ اگر یہ بروقت ہمیں اپنا خواب نہ بتاتا تو آج ہم یہاں دربار میں سب کے سامنے نہ ہوتے۔ ہم اپنے اس چوکی دار کی خدمت سے بے حد خوش ہیں اور اس کے صلے میں اسے ایک ہزار اشرفیاں بہ طور انعام دیتے ہیں۔ سب طرف سے مرحبا مرحبا کی آوازیں آنے لگیں۔ چوکی دار کو ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی تھما دی گئی۔ چوکی دار جھک کر آداب بجا لایا۔ پھر بادشاہ سلامت کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ انھوں نے اعلان کیا، "آج سے اس چوکی دار کو نوکری سے برخاست کیا جاتا ہے۔" سب ہکا بکا رہ گئے۔ چوکی دار نے تعجب سے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ بادشاہ سلامت چوکی دار کو مخاطب کر کے بولے، "تمھارا قصور یہ ہے کہ تم رات کو سو گئے تھے۔"

آؤ وقت کی قدر کریں

مرسلہ: عائشہ خان، نزی ہوبی

وقت اللہ کی امانت ہے
وقت کی قدر اِک عبادت ہے
وہ جنھیں وقت سے محبت ہے
اُن پہ اللہ کی عنایت ہے
وقت پر کام وقت پر آرام
یہ بڑوں کی ہمیں ہدایت ہے
وقت پر سونا وقت پر اُٹھنا
اچھے بچّوں کی اچھی عادت ہے
وقت اُن ہی کو راس آتا ہے
جن کے نزدیک وقت نعمت ہے
وقت ہی وقت کی ضرورت ہے
بزمِ ہمدرد کی نصیحت ہے

علم کی اہمیت

اسماء امین، کراچی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مکتب کے چند طالب علم دریا کے کنارے بیٹھے اپنا سبق یاد کر رہے تھے۔ ان کے درمیان لفظ 'مخنث' پر بحث ہو رہی تھی۔ اُن کی اس علمی بحث کا یہ حصّہ ماہی گیر کے کان میں بھی پڑ گیا کہ مخنث اس کو کہتے ہیں جو نہ مذکّر ہو اور نہ مونّث۔ اتفاق سے ماہی گیر کے جال میں ایک روز ایک ایسی خوب صورت مچھلی پھنس گئی جس کو ماہی گیر نے انعام حاصل کرنے کے لیے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بادشاہ مچھلی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور بجائے انعام دینے کے اس نے اس مچھلی کے جوڑے کی فرمائش کر دی اور کہا کہ "اس کا جوڑا نہ ملا تو تمھیں ہلاک کر دیا جائے گا۔"

ماہی گیر کو معقول انعام ملنے کے بجائے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ ایسی مچھلی کا دست یاب ہونا اتفاقیہ بات تھی۔ خوش قسمتی سے ماہی گیر کو 'مخنث' والی بات یاد آگئی۔ اس نے فوراً بادشاہ سے عرض کیا کہ یہ مچھلی نہ تو مذکر ہے اور نہ مؤنث، بلکہ مخنث ہے، لہٰذا اس کا جوڑا ملنا ناممکن ہوگا۔" بادشاہ یہ جواب سُن کر بہت خوش ہوا اور ماہی گیر کو معقول انعام دے کر رخصت کیا۔ غرض علم کے ایک لفظ نے ماہی گیر کی جان بچادی۔

اسی طرح کسی بادشاہ نے ایک تیلی (تیل نکالنے والا) سے دریافت کیا کہ ایک من تلوں سے کتنا تیل نکلتا ہے؟ تیلی نے کہا، "دس سیر۔" پھر پوچھا، "دس سیر تلوں میں سے؟" تیلی نے کہا، "ڈھائی سیر۔" بادشاہ نے پھر پوچھا، "ڈھائی سیر میں سے؟" تیلی نے کہا، "ڈھائی پاؤ۔" آخر میں بادشاہ نے پوچھا، "ایک تِل میں سے کتنا تیل نکلے گا؟" تیلی نے بتایا، "اتنا جس سے ناخن کا سِرا تر ہو سکے۔" کاروبار میں تیلی کی اس ہوشیاری سے بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ علم دین سے بھی کچھ واقفیت ہے؟" تیلی نے جواب دیا، "نہیں۔" بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا، "دنیاوی کاروبار میں اس قدر ہوشیار اور دین سے بالکل بے خبر، اس کو قید خانے میں ڈال دو۔" جب سپاہی تیلی کو قید خانے لے جانے لگے تو تیلی کے لڑکے نے بادشاہ سے کہا، "مہربانی کر کے مجھے میرے باپ کے جرم سے آگاہ کیا جائے۔"

بادشاہ نے کہا، "تیرا باپ اپنے کاروبار میں تو اس قدر ہوشیار ہے، لیکن علمِ دین سے بالکل بے بہرہ ہے، اس لیے اس غفلت کی سزا میں اس کو قید خانے میں بھیجا جاتا ہے۔" تیلی کے لڑکے نے دست بستہ عرض کیا، "حضور، یہ قصور میرے باپ کے باپ کا ہے، جس نے اس کو تعلیم سے بے بہرہ رکھا، نہ کہ میرے باپ کا۔ میرے باپ کا قصور اُس وقت مانا جاتا اگر وہ مجھے تعلیم نہ دلاتا، لیکن میرا باپ مجھے تعلیم دلا رہا ہے، لہٰذا وہ بے قصور مانا جائے گا۔ حضور کا اختیار ہے کہ وہ جو فیصلہ کریں۔"

بادشاہ لڑکے کے اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا، "تمھاری تھوڑی سی تعلیم نے اپنے باپ کو نہ صرف قید سے آزاد کرایا بلکہ تم کو بھی انعام کا مستحق ٹھیرایا۔" تیلی کو رہا کر دیا گیا اور دونوں کو معقول انعام دے کر رخصت کیا گیا۔

پیسے کہاں گئے

اے رکھیو خاں، خاصخیلی

گھر کے سب افراد ماجد کو بہ خوبی جانتے تھے، مگر اس کا جرم ناقابلِ معافی تھا۔ گھر کے تمام افراد سخت غصّے میں تھے۔ ماجد کی چھوٹی بہن تو جیسے اسی موقع کی تلاش میں تھی۔ وہ ماجد پر طنز کیے جا رہی تھی۔ ماجد نے تنگ آکر کہا، "اس بار بولی تو گل دان اُٹھا کر تمھارے سر پر مار دوں گا۔"

امّی نے اس کو تو چُپ کرا دیا، مگر سوالات کا سلسلہ جاری رکھا کہ پیسے خرچ نہیں کیے، گُم نہیں ہوئے تو کہاں گئے۔ تمھارے ابّو کو کیا جواب دوں گی۔"

اتنے میں ماجد کے والد صاحب بھی دفتر سے آ گئے۔ "بیگم، جلدی سے کھانا لاؤ، بھوک سے آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں۔" بیگم بولیں، "یہ تمھاری پرانی عادت ہے، مگر اپنے بیٹے سے پوچھو کہ دُکان کا کرایہ کیا کیا؟" مجید صاحب بولے، "آخر میرا بیٹا ہے، میری الماری میں رکھ دیا ہوگا۔"

"جی نہیں۔"

امّی بولیں، "کہہ دو کہ دُکان دار نے دیے ہی نہیں۔"

"امّی دُکان دار نے تو دیے تھے۔"

"تو پھر کہاں گئے؟" مجید صاحب حیران ہو کر بولے۔ "یہ تمھاری امّی کیا کہہ رہی ہیں۔ بولو بیٹے، کہاں گئے رُپے؟"

"وہ ابّو، معلوم ہے کیا ہوا، میں جب کرایہ وصول کر کے گھر کی طرف آ رہا تھا کہ میں نے دیکھا، بہت سے لوگ کھڑے ہیں، قریب گیا تو ایک درندہ صفت شخص ایک غریب رکشے والے کا گریبان پکڑے ہوئے تھا۔ رکشے والا کہے جا رہا تھا کہ "تین دن سے بیمار ہوں۔ گھر میں چولہا تک نہیں جلا۔ رکشے کی قسط کہاں سے دوں، مگر وہ شخص نہ مانا اور رکشے والے کو تھپڑ مارنے سے باز نہ آیا۔ کسی نے اس کی مدد نہیں کی تو میں نے تین سو رُپے اس کو دے دیے۔" یہ کہتے ہوئے ماجد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ابّو نے اُٹھ کر، ماجد کو گلے سے لگا لیا اور شاباش دی کہ "بیٹے، آج تم نے بہت بڑی نیکی کی ہے۔"

★

کہانی

مرسلہ: انیلا فہیم، ریاض

بلّی شیر کی خالہ ہے
شیر نے گیدڑ پالا ہے
بندر ہاتھی والا ہے
جنگل کا رکھوالا ہے
کتّا ریچھ کا بالا ہے
کتّے کا منھ کالا ہے
بطخ مور کی نانی ہے
یہ بھی ایک کہانی ہے

نونہال اور دادی جان

تسنیم فاطمہ جعفری، لاڑکانہ

کچھ عرصے پہلے کی بات ہے کہ جب ہماری نظر نونہال پر پڑی تو ہمیں یہ رسالہ بہت اچھا اور مفید لگا، کیوں کہ اس میں بہت ساری نصیحت آموز اور معلومات افزا باتیں تھیں، جب کہ دوسرے رسالے اس کے مقابلے میں ہمیں کچھ بھی نہیں لگے، مگر ہماری دادی جان یہ کہتی تھیں کہ بیٹا، صرف اپنی جماعت کی کتابیں پڑھو۔ ان رسالوں کے چکّر میں نہ پڑو، کیوں کہ یہ بہت بڑی لت ہوتی ہے۔ یہ شاید دادی جان اس لیے کہتی تھیں کہ ان کا خیال تھا کہ رسالوں میں اچھی باتیں نہیں ہوتیں۔

ہم چوں کہ ان کا ہر حکم مانتے تھے اور وہ بھی ہماری

ہر فرمائش پوری کرتی تھیں، لہٰذا ہم حکم عدولی نہیں کر سکتے تھے۔ مگر ہم یہ چاہتے تھے کہ ایک بار وہ یہ رسالہ پڑھ ضرور لیں اور دیکھ لیں کہ اس میں کوئی بھی ناشائستہ بات نہیں ہوتی، مگر دادی جان تو کبھی رسالے کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھیں۔ اب تو ہم اور زیادہ پریشان ہو گئے، کیوں کہ اگلے مہینے کا رسالہ بازار میں آ چکا تھا اور اِدھر انھوں نے سب کو منع کر دیا کہ جب اخبار والا آئے تو مجھے بتانا۔ اب جب شام کو اخبار والا جن کو ہم چاچا کہتے تھے آئے تو سب سے پہلے دادی جان اُٹھیں اُن کے پیچھے پیچھے ہم بھی گیٹ تک آئے اور جب دادی جان کو چاچا نے نونہال اور اخبار دینا چاہا تو انھوں نے صرف اخبار ہاتھ میں لیا۔ نونہال یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اب یہ نہ لانا۔

پہلے تو چاچا بہت حیران ہوئے، کیوں کہ وہ خود بھی نونہال پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ نونہال پاکستان کا سب سے اچھا اور معیاری رسالہ ہے اور ان ہی کی وجہ سے ہمارا نونہال سے رابطہ ہوا تھا۔ خیر انھوں نے اخبار دیا، واپس مڑے اور ہماری رونی صورت دیکھ کر چلے گئے۔

شام کو چاچا پھر آئے اور انھوں نے دادی جان کو قائل کرنے کی کوشش کی، مگر دادی جان پھر بھی نہیں مانیں، مگر جب جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول پڑھ کر سنائے تو بہت خوش ہوئیں اور انھوں نے ہمیں بُلا بھیجا۔ ہم جو اپنے کمرے میں آنسو بہا رہے تھے، بُلاوے پر فوراً آ گئے تو دیکھا کہ ہمارے چاچا دادی کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے ہاتھ میں نونہال ہے۔ ابھی ہم حیرت سے ان کا منھ تک رہے تھے کہ وہ گویا ہوئیں، "بیٹا مجھے معلوم نہیں تھا کہ ہمارے ملک میں اتنے اچھے رسالے بھی نکلتے ہیں، جن میں سوائے نصیحت کے اور ڈھیر ساری نئی نئی معلومات کے کوئی بھی فضول بات نہیں۔"

دوستو! وہ دن ہے اور آج کا دن ہے۔ اب تو دادی جان خود پڑھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ نونہال پاکستان کا سب سے اچھا، معیاری اور مفید رسالہ ہے۔ خدا اس کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے۔

شریر منّو میاں

محمد عباس ابراہیم، کراچی

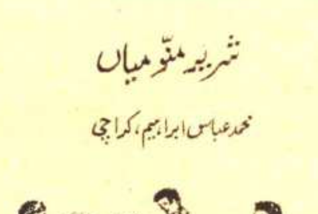

پیارے بچو! یہ کہانی ایک شریر بچے منّو میاں کی ہے۔ شرارت کے بغیر اس کا کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا وہ ہمیشہ ایک سے ایک نئی شرارت سوچتا رہتا تھا۔ اس دفعہ اس نے سوچا کہ کیوں نہ گائے کی سواری کی جائے۔ کرمو کی گائے اپنے بچھڑے کے ساتھ گھاس چر رہی تھی۔ منّو میاں اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں پہنچے اور بچھڑے کے گلے میں رسّی باندھ کر خوب سیر۔

منّو میاں کے امّی اور ابّو اس کی نت نئی شرارتوں سے تنگ آ گئے تھے ۔ وہ انھیں سمجھاتے کہ اچھے بچے شرارت نہیں کرتے ۔ لیکن منّو میاں ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے اُڑا دیتے ۔

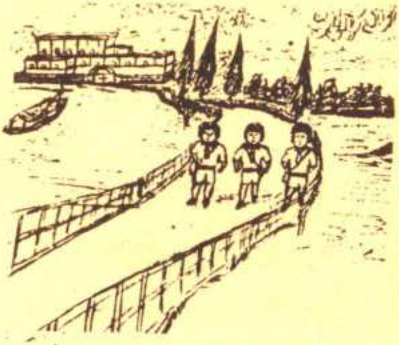

ایک روز منّو میاں اپنے دوستوں کے ساتھ اسکول سے آ رہے تھے کہ انھوں نے باغ میں آم توڑنے کا پروگرام بنایا ۔

منّو میاں اپنے دوستوں کے ساتھ درخت پر چڑھ گئے اور خوب آم توڑ کر کھائے ۔ وہ کبھی اس ٹہنی پر چڑھتے اور کبھی اس ٹہنی پر ۔ آم میٹھے بھی تھے اور لذیذ بھی ۔

باغ کا مالی پودے لگا رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر منّو میاں اور اس کے دوستوں پر پڑی ۔

اور وہ اس کی جانب بڑھنے لگا ۔ منّو میاں آم کھا بھی رہے تھے اور نیچے پھینک بھی رہے تھے ۔

منّو میاں اور ان کے دوستوں کی نظر مالی پر پڑی ۔

اور وہ تینوں شور مچاتے ہوئے درخت سے نیچے اُترنے لگے۔ اس کے دو دوست تو نیچے اُتر کر فرار ہو گئے، مگر منّو میاں اوپر والی ٹہنی میں پھنس گئے۔ انھوں نے جو زور لگایا تو ٹہنی ٹوٹ گئی اور وہ ٹہنی کے ساتھ نیچے گر کر بے ہوش ہو گئے۔

مالی دوڑتا ہوا آیا اور اس نے منّو میاں کو اپنی گود میں اُٹھا لیا۔ مالی نے اسے فوراً پہچان لیا کہ وہ وکیل صاحب کا بیٹا ہے۔ مالی اسے گود میں لے کر وکیل صاحب کے گھر پہنچا۔

وکیل صاحب نے منّو میاں کی شرارت کی وجہ سے مالی سے معافی مانگی اور اسے گھر تک پہنچانے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ منّو میاں پلنگ پر بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔

منّو میاں کی آنکھیں کھُلیں تو انھوں نے کہا، "میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔"

منّو میاں کے امّی اور ابّو نے اسے سمجھایا تو انھوں نے ان سے اپنے کیے کی معافی مانگی، توبہ کی اور وعدہ کیا کہ وہ آیندہ سے شرارت نہیں کرے گا۔

میری کتاب

مرسلہ: منوّر شہناز، کراچی

تُو اے کتاب مجھ کو نہایت عزیز ہے
بچپن میں تُو نے مجھ کو سکھائی تمیز ہے
سچ سچ بتا دے کون سی بستی سے آئی ہے
کیا اتنا علم علم کے دریا سے لائی ہے
قسمت نے جب تجھے مرے ہاتھوں پہ دھر دیا
اِک نور تھا کہ جس سے مرا سینہ بھر دیا
احسان جب کسی کا بھُلانا نہیں روا
تیرا بھی نقش دل سے مٹانا نہیں بجا
پٹّی بندھی ہے آنکھوں پہ تیری تُو کھول دے
جو علم تیرے پاس ہے سب مجھ کو تول دے

لیاقت علی خاں

ساجدہ حفیظ، حیدر آباد

نواب زادہ لیاقت علی خان ۱۸۹۵ء میں مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک خوش حال زمین دار گھرانے سے تھا۔ وہ اپنے والدین کے دوسرے بیٹے تھے۔ لیاقت علی خان

نے اپنے ابتدائی ایام یو۔پی میں گزارے، جو اُس زمانے میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ ۱۹۱۸ء میں انھوں نے ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ سے بی۔اے کیا۔ اور ایک سال بعد اعلا تعلیم کے لیے انگلستان روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر آکسفورڈ یونی ورسٹی میں داخلہ لے لیا اور ساتھ ہی ساتھ بیرسٹری پڑھنے کی بھی کوشش کرنے لگے۔ ۱۹۲۱ء میں آپ نے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ قیامِ آکسفورڈ کے دوران لیاقت علی خاں سیاسی مباحثوں میں زور و شور سے حصہ لیتے رہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ ہندستان لوٹ آئے اور یو۔پی میں مستقل طور پر رہائش اختیار کرلی۔ ۱۹۲۶ء میں آپ کو یو۔پی کی اسمبلی کا رکن منتخب کیا گیا، جہاں وہ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر مقرر ہو گئے۔ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے لیڈر قائدِ اعظم تھے۔

لیاقت علی خان ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری کے عہدے پر فائز ہوئے۔ وہ فطرتاً خاموش طبع تھے اور بناوٹ، دکھاوا اور نمود و نمائش سے پرہیز کرتے تھے۔

لیاقت علی خان کی زندگی کا بہترین دور ۱۹۴۶ء سے شروع ہوتا ہے، جب انھیں تقسیمِ ہند سے قبل وائسرائے کی ایگزیکیٹو کونسل کا رکن مقرر کیا گیا۔ لکھنؤ اور دہلی میں بیس سالہ پارلیمانی تجربے کے بعد وہ ہر کام میں ماہر ہو گئے تھے، لیکن جس چیز نے سب کو حیرت میں ڈال دیا وہ وزیرِ خزانہ کی حیثیت سے ان کی کامیابی تھی۔

لیاقت علی خان عبوری حکومت میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر تھے۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد وہ پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم مقرر ہو گئے۔ اب اُن کی ذمّے داریوں میں اضافہ ہو گیا۔ جب تک قائدِ اعظم بقیدِ حیات تھے وہ اپنے فرائض کابینہ کی مدد سے سرانجام دیتے تھے، لیکن قائدِ اعظم کی وفات کے بعد اُن کی ذمے داریاں بہت بڑھ گئیں۔ انھوں نے نہایت محنت و جانفشانی سے قوم و ملک کے لیے کام کیا۔ پاکستان روز بہ روز مضبوط ہوتا گیا اور ترقی کی طرف قدم بڑھاتا رہا۔ عوام نے اُن کی خدمات کے صلے میں انھیں قائدِ ملّت کا خطاب دیا۔

نواب زادہ لیاقت علی خان ۱۶۔اکتوبر ۱۹۵۱ء کو راول پنڈی کے ایک عظیم الشان اجتماع میں شریک ہوئے اور تقریر کرنے کے لیے اسٹیج پر کھڑے ہوئے اور ابھی زبان سے "میرے پاکستانی بھائیو!" کے الفاظ نکلے ہی تھے کہ ایک شقی القلب شخص نے اپنا پستول چلا دیا اور گولی قائدِ ملّت کے سینے کے پار ہو گئی۔ یہ الم ناک خبر آناً فاناً تمام ملک میں پھیل گئی۔

لیاقت علی خاں کو پاکستان کا دل کہنا غلط نہ ہو گا۔ وہ جو کچھ سوچتے قوم بھی وہی سوچنے لگتی۔ وہ قوم کے سچّے خادم تھے۔ انھوں نے قائدِ اعظم کے بعد ایک منتشر اور پراگندہ قوم کو منظم کیا اور قوم کے دل میں آزادی کی حفاظت کا ولولہ پیدا کیا۔

ہمدرد نونہال، جولائی ۱۹۸۶ء

وقت کی اہمیت

محمد غلام حسین میمن، حیدر آباد

اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ وقت ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ وقت جیسی قیمتی دولت ایک بار ہاتھ سے چلی جائے تو پھر یہ واپس نہیں آتی۔ طالب علمی کا دَور عمر کا بہترین زمانہ ہوتا ہے۔ یہ وہ قیمتی زمانہ ہے جس میں طالب علم علم و فن سیکھتا ہے۔ سمجھ دار طالب علم اپنے وقت کا بیش تر حصّہ مقصد کے حصول میں صَرف کرتا ہے۔ ایک انگریز مفکّر کا قول ہے کہ "جو لوگ وقت کا سب سے زیادہ غلط استعمال کرتے ہیں، وہی سب سے زیادہ وقت کی کمی کی شکایت کرتے ہیں۔" وقت کتنا قیمتی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ ایک مرتبہ ایک بے گناہ شخص صِرف اس وجہ سے پھانسی پا گیا کہ وہ قاصد جو اس کا معافی نامہ لے کر جارہا تھا پانچ منٹ دیر سے پہنچا۔ نپولین بونا پارٹ اپنی کام یابی کو وقت کی قدر سے منسوب کرتے ہوئے کہتا ہے، "میں اپنے حریفوں پر اس لیے غالب آتا ہوں کہ وہ چند لمحوں کو عموماً کچھ نہیں سمجھتے۔ میں ان لمحوں کی قدر و قیمت خوب سمجھتا ہوں۔"

جناب حکیم محمد سعید کہتے ہیں، "وقت کی پابندی کام یابی حاصل کرنے کا پہلا زینہ ہے۔" مشہور ڈراما نگار ولیم شیکسپیئر کا مقولہ ہے، "میں نے وقت کو برباد کیا اور اب وقت مجھے برباد کر رہا ہے۔" وقت کتنا قیمتی ہے اس کا اندازہ ہمیں وقت گزرنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ دنیا میں وہی لوگ سرخرو ہوتے ہیں جو وقت کی اہمیت کا اندازہ وقت گزرنے سے پہلے لگا لیتے ہیں اور اس وقت کو کسی اچھے کام میں صَرف کرتے ہیں۔

امّی

مرسلہ: مدثر عمر، کراچی

ہمیں راہ سیدھی دکھاتی ہیں امّی
بُرائی سے مجھ کو بچاتی ہیں امّی

دِلوں سے حسد کے اندھیرے مٹا کر
محبّت کی مشعل جلاتی ہیں امّی

خدا کے نبیؐ ہیں بڑی شان والے
ہمیں ان کی باتیں سناتی ہیں امّی

بزرگوں کی تعظیم و تکریم کرنا
ہمیں ایسی باتیں بتاتی ہیں امّی

کبھی وقت کو اپنے ضائع نہ کرنا
ہمیں گُر کی باتیں سکھاتی ہیں امّی

یاد رکھنے کی باتیں

ایم۔ ایس۔ شاکر، گوجرانوالہ

میں نے اکثر بچوں کو دیکھا ہے کہ وہ اخبار یا رسالہ آنکھوں کے بالکل قریب رکھ کر پڑھتے ہیں، اس لیے کہ اخبار یا رسالوں کے حروف بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس طرح ان کی نظریں کم زور ہو جاتی ہیں۔ بچو! آپ جب بھی

اخبار یا رسالہ پڑھیں تو اسے اپنی آنکھوں سے تقریباً سوا فیٹ کے فاصلے پر رکھیں۔ اس طرح آپ کی نظر کم زور نہیں ہوگی۔ یاد رکھیں کہ سوا فیٹ کے فاصلے پر بھی آپ کو حروف صاف نظر آئیں گے۔

اکثر بچے لکھتے وقت بھی سر کو بہت جھکا لیتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی آنکھوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ جب بھی آپ کچھ لکھیں کاغذ کو آنکھوں سے سوا فیٹ کے فاصلے پر رکھیں۔ اس طرح آپ کی نظر پر اثر نہیں پڑے گا۔ بعض بچے ٹیلے وژن بھی بہت قریب بیٹھ کر دیکھتے ہیں۔ بچو! اس طرح نظر پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ آپ ٹیلے وژن دیکھتے وقت ٹیلے وژن سے دس فیٹ کا فاصلہ رکھیں۔ اس طرح نظر متاثر نہیں ہو گی۔ امید ہے نونہال ان باتوں پر ضرور عمل کریں گے اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تاکید کریں گے۔

نونہال

مرسلہ: صائمہ نرجس، منگلا ڈیم

اچھا اچھا پیارا پیارا
دل کش دل کش نیارا نیارا
رنگ برنگے ٹائیٹل والا
نظموں کی پہنے ہے مالا
معلومات، لطیفے اس کے
پڑھتے ہیں سب شوق سے بچے
حمدیں اور نعتیں بھی سُن لو
کانٹوں سے کچھ پھول بھی چُن لو
جو بچے ہیں پاکستانی
دل سے پڑھیں وہ اس کی کہانی

کام یابی

منیبہ اقبال، حیدرآباد

اُف کس قدر دل پریشان ہوتا تھا جب ابّا جان محترم صبح ہی صبح نماز کے لیے اُٹھاتے تھے اور نماز کے بعد پڑھائی شروع کرنے کا حکم صادر کر دیتے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جمہوریت کے اس دور میں ابا جان کو اتنی سختی کرنے کی کیا ضرورت ہے اور پھر یہ اور مصیبت کہ ہر کام کے لیے وقت مقرر۔ کھیلیں بھی تو وقت پر کودیں بھی تو وقت پر۔ پڑھیں بھی وقت پر کھائیں بھی وقت پر۔ سارے دن میں دوپہر کا وقت وہ حسین لمحہ ہوتا تھا جو اپنے بس میں تھا۔ ابا جان دفتر سے تھکے ہارے آکر سو جاتے تھے۔ گھر میں سب کو سوتا دیکھ کر اتنی مسرت ہوتی تھی اور دل سے دعائیں نکلتی تھیں کہ خدا ان دوپہروں کو رات کے برابر لمبا کر دے اور ہم یونہی شور و غل مچاتے رہیں، مگر ابھی یہ سب کچھ سوچنے کی کوشش کر ہی رہے ہوتے تھے کہ بھائی جان کا بھاری بھر کم ہاتھ کمر پر آکر لگتا تھا کہ نیند نہیں آرہی ہے تو کچھ پڑھ ہی لو اور میں فوراً ان کو جواب دیتا "نہیں میں تو سونے جا رہا ہوں" یا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ سب لوگ

مل کر اس بے چاری پڑھائی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ کتابوں کو بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ استعمال سے تو ان کے بھی خراب ہونے کا خطرہ ہے، مگر کسی کے کچھ سمجھ نہ آتا۔ جیسے جیسے بڑی کلاس میں آتے گئے پڑھائی مصیبت بن کر سر پر سوار ہوتی گئی۔ پڑھائی سے اس قدر غفلت دیکھ کر گھر والوں کو پریشانی شروع ہو گئی۔ سب لوگوں نے بہت محبت سے سمجھانے کی کوشش کی، خاص کر ابا نے اتنے پیارے انداز میں کہا کہ بیٹا! ہم تمھارے دشمن تھوڑی ہیں۔ اگر پڑھو گے لکھو گے نہیں تو دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر کیسے چلو گے؟ یہ دنیا تم کو بہت پیچھے چھوڑ دے گی اور پھر تم گم نامی کے اندھیروں میں کھو جاؤ گے۔ پھر انھوں نے اصولِ کام یابی کا ایک خوب صورت اقتباس سنایا جو کبھی کسی نے کہا تھا کہ

"کام یابی کوئی گری پڑی چیز نہیں ہے کہ ہم اسے اُٹھا کر جب چاہیں جیب میں ڈال لیں۔ اس کے لیے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا میں جتنے بھی بڑے لوگ گزرے ہیں انھوں نے ان ہی اصولوں پر عمل کر کے کام یابی حاصل کی ہے۔"

وہ لمحہ وہ دن میرے لیے کافی پریشانی کا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اب تک میں اپنے آپ کو ضائع کرتا رہا، اس مقصد کو بھی جس کے لیے اللہ میاں نے مجھے بنایا۔

پھر میں نے ایک نئے عزم کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ میں وقت کو پچھتاوے کے اندھیرے میں نہ جانے دوں گا۔ ان کتابوں کو اپنا کھیل بناؤں گا تاکہ وقت ہم کو نہیں ہم وقت کو شکست دے سکیں۔

جاپانی لوک کہانی

آئینہ

مرسلہ: ایلیا کاظم، کراچی

یہ پرانے وقتوں کی بات ہے۔ جاپان کے ایک دُور دراز صوبے اچیکو میں ایک شخص رہتا تھا۔ اس کی ایک بیوی اور ایک بیٹی تھی۔ ان کے ساتھ اس کی زندگی گزر رہی تھی۔ انھوں نے اپنے بڑھاپے کے لیے کچھ پونجی بچا کر رکھی ہوئی تھی، اس لیے وہ بے فکر تھے۔ ننھی بیٹی ہی ان کی خوشیوں کے لیے کافی تھی۔

ان کی زندگی کے یادگار دن وہ تھے جب اُن کی بیٹی نے گود سے اُتر کر کھیلنا کودنا اور پروان چڑھنا شروع کر دیا۔ جب وہ تیس دن کی ہوئی تو اس کی ماں نے رسمی طور پر اسے کیمونو پہنایا اور گود میں اُٹھا کر عبادت گاہ میں لے گئی تاکہ اسے خاندان کے سرپرست دیوتا کی پناہ میں دے دے۔ پھر جب اس کی زندگی میں پہلا گڑیوں کا تہوار آیا تو انھوں نے اپنی بیٹی کو بہت سی گڑیاں اور کھلونے دیے۔ اسی طرح وقت گزرتا گیا اور پھر جب لڑکی تین سال کی ہوئی تو اس موقع پر ماں نے اپنی بیٹی کو پہلی "اوبی" باندھی۔ یہ کمخواب کا کمر پٹکا تھا، جو سنہرا اور سرخ رنگ کا تھا۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ لڑکی نے اپنے بچپن کی دہلیز پار کر لی ہے۔ جب اس کی عمر سات برس کی ہوئی تو اس نے گفت گو کا سلیقہ بھی

سیکھ لیا۔ یہ دیکھ کہ اس کے ماں باپ کے دل خوشی سے لبریز ہو گئے۔

یوں لگتا تھا کہ جیسے پورے جاپان میں ان سے زیادہ خوش کوئی اور خاندان نہیں تھا۔ ایک بار لڑکی کا باپ کسی ضروری کام سے دارالحکومت گیا اور جب وہاں سے لوٹا تو بیٹی کے لیے ایک پیاری سی گڑیا لانے کے علاوہ اپنی بیوی کے لیے بھی ایک تحفہ لایا۔ یہ تحفہ ایک آئینہ تھا جو ایک چوکور ڈبے میں بند تھا۔ اس پر سرخ اور سفید دھاگے بندھے ہوئے تھے۔ اس نے جب ڈبے میں سے آئینہ نکال کر بیوی کو دیا تو وہ حیران رہ گئی۔ جیسے ہی اس نے آئینے کر اس میں دیکھا تو حیرت سے چیخ پڑی، "یہ تم نے مجھے کیا دیا ہے۔ اس میں سے کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔"

یہ سنتے ہی شوہر نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور کہنے لگا، "پگلی، یہ تم خود ہو۔ دوسرا کوئی نہیں۔" پھر وہ اُسے سمجھانے لگا، "اس چیز کو آئینہ کہتے ہیں۔ جب کوئی اس کی چمکیلی جانب دیکھتا ہے تو اسے اپنے چہرے کا عکس نظر آتا ہے۔ اگرچہ یہ ہمارے علاقے میں نہیں ملتا، مگر دارالحکومت کیوٹو میں یہ قدیم زمانے سے استعمال ہوتا چلا آرہا ہے۔"

"آئینہ" ہر عورت کے پاس ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ایک پرانی ضرب المثل ہے کہ "ایک جنگجو کی جان تلوار میں ہوتی ہے، اسی طرح ایک عورت کی جان آئینہ ہے۔"

جب وہ یہ بتا رہا تھا تو اس کی بیوی تعجب سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور ہر بات غور سے سُن رہی تھی۔ اس نے بیوی کو بتایا۔

"ایک مقبولِ عام قول کے مطابق "آئینہ عورت کے دل کی نمائندگی کرتا ہے۔ اگر وہ اسے صاف اور چمک دار رکھے گی تو اس کا دل بھی صاف اور اچھا رہے گا، لہٰذا تمھیں چاہیے کہ اسے اچھی طرح محفوظ رکھو اور بڑی احتیاط سے استعمال کرو۔"

"بے فکر رہو، میں اسے بڑی حفاظت سے رکھوں گی۔" یہ بات کہتے ہوئے آئینہ اُٹھا کر ماتھے تک بلند کیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس تحفے کا احترام کرتی ہے اور اس کے لیے ممنون ہے۔

اس کے بعد اس نے آئینہ ڈبے میں بند کر کے کمرے میں ایک محفوظ جگہ پر رکھ دیا۔ وقت گزرتا رہا، یہاں تک کہ لڑکی جوان ہو گئی، مگر اس کی نیک دل ماں شدید بیمار پڑ گئی اور جب بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو اس نے اپنی بیٹی کو بُلایا اور کہا، "پیاری بیٹی، مجھ سے وعدہ کرو کہ جب میں مر جاؤں گی تو تم اپنے باپ کا خیال رکھنا اور تم ایک فرماں بردار، نیک دل بیٹی کی طرح گھر کی دیکھ بھال کرنا۔" جب وہ یہ بات کہہ رہی تھی اس کی سانسیں اُکھڑ رہی تھیں۔ اس نے آہستہ سے تکیے کے نیچے سے ایک چھوٹا سا ڈبا نکالا جو ریشمی ڈوری سے بندھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے کم زور ہاتھوں سے دھیرے سے ریشمی ڈوری کھولی اور آئینہ نکال کر بیٹی کو دکھایا اور بتایا:

"یہ تمھارا باپ میرے لیے کیوٹو سے لایا تھا۔ میں

مرنے سے پہلے یہ آئینہ تمھیں دینا چاہتی ہوں۔ میرے بعد تم اکیلی رہ جاؤ گی اور اگر کسی وقت تم تنہائی محسوس کرو اور میری یاد آئے تو اس چمک دار حصے میں دیکھنا اس میں تمھیں میرا چہرا نظر آئے گا اور اس طرح تم مجھ سے ملاقات کر سکو گی اور اپنے دل کی بات کہہ سکو گی۔ اگرچہ میں بول نہیں سکوں گی، لیکن تمھاری بات سنوں گی۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے وہ آئینہ بیٹی کو دیا اور خود کچھ کہے بغیر اللہ کو پیاری ہو گئی۔

ایک سال کے بعد اس کے باپ نے دوسری شادی کر لی۔ جیسے ہی نئی ماں گھر میں آئی لڑکی کو اندازہ ہو گیا کہ اس کی حیثیت بدل گئی ہے۔ سوتیلی ماں ابتدا میں تو ٹھیک رہی، لیکن لڑکی کی قسمت نے زیادہ دیر اس کا ساتھ نہ دیا اور چند ہی روز بعد سوتیلی ماں کا رویہ ویسا ہی ہو گیا جیسے عام طور پر سوتیلی ماؤں کا ہوتا ہے، بلکہ یہ عورت کچھ زیادہ ہی کینہ پرور اور ظالم تھی۔ اسے سارا دن ڈانٹنے اور مارنے کے علاوہ کوئی کام نہ تھا۔ نہ کھانا پکاتی نہ گھر کی صفائی کرتی۔ اس نے ہر کام اپنی سوتیلی بیٹی کو سونپ دیا اور اس کے ہر کام میں کیڑے نکالتی اور شوہر سے روزانہ اس کی شکایتیں کرتی اور کہتی، "تمھاری بیٹی تو مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ میرا کہنا نہیں مانتی۔ مجھے سوتیلی ماں سمجھتی ہے۔"

اگر اس کا بس چلتا تو وہ لڑکی کا گلا گھونٹ دیتی۔ اس نے اپنے دل میں پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو، میں اس لڑکی کو گھر میں نہیں رہنے دوں گی۔ لڑکی بے چاری زیادتی برداشت کرتی اور اس کا ہر حکم بجا لانے کی کوشش کرتی، لیکن سوتیلی ماں کا دل نہ پسیجا۔ اس کے ظلم میں روز بہ روز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

ایک بات وہ کئی روز سے دیکھ رہی تھی اور وہ یہ کہ لڑکی روزانہ صبح و شام اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے اور تھوڑی دیر کمرا بند رکھتی ہے۔ عورت کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ ہر روز دونوں وقت کمرے میں بند ہو کر کیا کرتی ہے۔ اس کی وجہ سمجھنے کے لیے وہ کھوج میں لگی رہتی تھی۔ ایک روز صبح جب لڑکی اپنے کمرے میں گئی اور اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا تو ماں کو تجسس ہوا۔ وہ دبے پاؤں اس کے کمرے کے دروازے کے پاس گئی اور ایک سوراخ میں سے جھانکنے لگی۔ اس نے دیکھا کہ لڑکی بڑی مؤدب ہو کے بیٹھی کچھ دیکھ رہی تھی۔ "یہ کیا دیکھ رہی ہے۔ کہیں یہ میرے خلاف کوئی سازش تو نہیں کر رہی۔" وہ اسی وقت بھاگی بھاگی اپنے شوہر کے پاس گئی اور آنسو بہاتے ہوئے بولی، "میں تم سے اجازت لینے آئی ہوں۔ اب میں اور زیادہ تمھارے ساتھ اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔"

شوہر اس کی یہ بات سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ حیرانی سے پوچھنے لگا، "کیا بات ہے۔ میں سمجھا نہیں۔" جواب میں وہ بتانے لگی، "اگر میں اب اور چند روز یہاں رہی تو میری زندگی جانے کا خطرہ ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ میں تمھارا ساتھ چھوڑ کر چلی جاؤں، ورنہ میری موت یقینی ہے۔ تمھاری بیٹی اپنے کمرے میں بند ہو کر کوئی عمل کرتی

ہے۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ وہ میری تصویر سامنے رکھ کر مجھے بد دعائیں دیتی ہے تاکہ میں مر جاؤں۔"

شوہر اس کی باتیں سن کر حیران ہو رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی بیٹی ایسا کر سکتی ہے، اسی لیے کہنے لگا، "تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ محض تمھارا وہم ہے۔"

"اگر تمھیں یقین نہیں آتا تو ابھی جا کر دیکھ لو۔ وہ اپنے کمرے میں کوئی عمل کر رہی ہے۔" بیوی کی اس بات پر شوہر کو بھی شک ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہم پرست لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی تصویر سامنے رکھ کر اسے روزانہ بد دعائیں دے تو ایک روز اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ وہ جلدی سے اُٹھا اور بیٹی کے کمرے کی طرف چل دیا تاکہ حقیقتِ حال معلوم کر سکے۔ دراصل لڑکی صبح و شام کمرے کو بند کر کے وہ آئینہ دیکھتی جو اسے اس کی ماں نے دیا تھا۔ وہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر سوچتی تھی کہ یہ اس کی ماں کی روح ہے اور اس وقت بھی جب جلدی سے دروازہ کھول کر اس کا باپ کمرے میں داخل ہوا تو وہ آئینہ ہی دیکھ رہی تھی، جیسے ہی اس کا باپ کمرے میں داخل ہوا تو وہ گھبرا گئی اس نے جلدی سے آئینہ اپنے کیمونو کی کھلی آستین میں چھپا لیا۔ باپ نے پوچھا، "تم نے کیا چھپایا ہے؟ تم اپنی سوتیلی ماں کو بد دعائیں دیتی ہو تاکہ وہ مر جائے۔ لڑکی باپ کی اس بات پر پریشان ہو گئی۔ وہ اتنے عرصے سے اس راز کو راز ہی رکھے ہوئے تھی، مگر اب **ظاہر کرنا ہی ہو گیا** تھا۔ اگر وہ نہ بتاتی تو اس کے باپ کا شک دُور نہیں ہو سکتا تھا۔ چناں چہ اس نے آہستہ سے آستین سے آئینہ نکالا اور باپ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی، "یہ چیز تھی جسے میں دیکھ رہی تھی اور جو میں نے اپنی آستین میں چھپائی تھی۔" جونہی باپ نے آئینہ دیکھا وہ حیران رہ گیا۔ چونک کر کہنے لگا، "یہ تو وہ آئینہ ہے جو آج سے برسوں پہلے میں دارالحکومت سے تمھاری ماں کے لیے لایا تھا۔" اس پر لڑکی نے بتایا، "ماں نے مرنے سے پہلے یہ آئینہ مجھے دیا تھا اور کہا تھا کہ جب میں اس میں دیکھوں گی تو وہ مجھے ملنے آجائے گی اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسے ہی میں اس میں دیکھتی ہوں ماں کی روح فوراً آجاتی ہے۔" بیٹی کی یہ بات سن کر باپ کا سارا غصہ جاتا رہا۔ وہ جان گیا کہ بیٹی کا چہرہ بالکل ماں کی طرح ہے۔ اس لیے وہ اپنا چہرہ دیکھ کر سمجھتی ہے کہ ماں کی روح آگئی ہے۔ اس نے لپک کر بیٹی کو گلے سے لگایا اور پیار کیا۔

دوسری طرف سوتیلی ماں دروازے پر کھڑی دونوں کی باتیں سن چکی تھی۔ اُس وقت سوتیلی ماں کو تعجب ہوا کہ لڑکی نے اپنے اوپر ہونے والے ظلم اس وقت اپنے باپ کو نہیں بتائے جب کہ اس کے پاس یہ سب سے اچھا موقع تھا۔ اب سوتیلی ماں کو علم ہو گیا کہ لڑکی واقعی بہت معصوم ہے اور چغل خور نہیں ہے۔ وہ بھی دوڑ کر آئی اور بیٹی کو گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے بولی، "بیٹی، مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمھیں غلط سمجھا تھا۔ اب میں تمھیں سگی ماں کا سا پیار دوں گی۔"

واقعی اس روز کے بعد سے وہ اسے سگی ماں کی طرح پیار کرنے لگی اور سب کی زندگی ہنسی خوشی بسر ہونے لگی۔

ہمدرد نونہال، جولائی ۱۹۸۶ء

ننھے قارئین لکھتے ہیں

نونہالوں کی پسند، ناپسند، تجویزیں، شکایتیں، مشورے

□ مجھے جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اور جناب مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات بہت پسند ہے۔

راشد احمد شاہد بن، کراچی

□ جاگو جگاؤ پڑھ کر معلوم ہوا کہ ہمارے رسالے کی رقم ہم کو مل گئی ہے۔ رسالہ سارا ہی بہترین تھا۔

نعمان احمد خان پٹھان، کراچی

□ پہلے میں دوسرے رسالے پڑھتا تھا مگر جب سے نونہال پڑھنا شروع کیا ہے دوسرے رسالے پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ میں اپنے دوستوں کو بھی نونہال پڑھنے کا مشورہ دیتا ہوں اور اپنا نونہال اپنے دوستوں کو بھی پڑھنے کے لیے دیتا ہوں۔ میرے سارے دوست اب نونہال شوق سے پڑھتے ہیں اور سب کو نونہال بہت پسند ہے۔ نونہال کا ہر مضمون معیاری ہوتا ہے اور نونہال ایک معلوماتی اور مفید رسالہ ہے۔ یہ اپنے معیار کے اعتبار سے تمام رسالوں میں سرفہرست ہے۔ یوں تو نونہال کا ہر مضمون بہترین ہوتا ہے، مگر جاگو جگاؤ کا تو جواب ہی نہیں۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بالکل پھول کی مہکتی ہوئی کلی کی طرح اور بکھرتی خوش بُو کی طرح سبق آموز ہوتا ہے۔ میں حکیم محمد سعید صاحب سے بہت متاثر ہوں۔ حکیم صاحب میری پسندیدہ شخصیت ہیں۔ حکیم محمد سعید صاحب کی پاکستان اور بچّوں کے لیے خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔

اسرار الحق خان زادہ، ٹنڈو جام

□ مئی کا نونہال ایک زبردست رسالہ ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں۔ رسالے کی جان جاگو جگاؤ تھا۔ کہانیوں میں "تخت کا وارث کون" لاجواب کہانی تھی۔

پرنس زرتاج احمد، کراچی

□ ۱۵ سال سے نونہال کا ہمارے گھر میں عمل دخل ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے اور یہ اعتراف کرتے ہوئے مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میں نے لکھنے پڑھنے کے لیے اپنا ابتدائی سبق نونہال کے ذریعے سے ہی سیکھا۔ مجھے علم و ادب کی جانب راغب کرنے میں نونہال کا بڑا ہاتھ ہے۔ اسی نے مجھے علم سے دوستی کرنا سکھائی اور اسی کی وجہ سے آج میری تحریر میں تھوڑی بہت مضبوطی ہے۔

ارشد لطیف خان، کراچی

□ مئی کے شمارے کی تمام کہانیاں پسند آئیں۔ (۱) اگر ہم "طب کی روشنی میں" میں جواب ڈاک سے چاہیں تو جوابی لفافہ بھیجنا پڑے گا۔ (۲) "صحت مند نونہال" بند کر دیا جائے تو بہتر ہے، کیوں کہ اس کا مقصد میری سمجھ سے باہر ہے۔ یہی صفحہ "تحفے" میں بڑھا دیا جائے۔ (۳) اگر لطائف بھیجیں تو کیا یہ لکھنا ضروری ہے کہ ہم نے یہ کس کتاب سے لیا ہے۔

عمران احمد نعمانی، کراچی

> (۱) جوابی لفافہ بھیجیں تو اچھا ہے، لیکن خط پر بھی مکمل پتا لکھیں۔ (۲) دوسرے نونہالوں کی کیا رائے ہے۔ (۳) کتاب، رسالے کا حوالہ دینا چاہیے۔

□ میں نے جناب حکیم محمد سعید کا لکھا ہوا جاگو جگاؤ پڑھا جس سے مجھے رمضان المبارک کے بارے میں بہت سی باتیں حاصل ہوئیں۔

محمد عارف پلیجاں، کراچی

□ اگر میں سندھی کہانیوں کا ترجمہ کر کے بھیجوں تو کیا شائع ہوگا؟

شکیل احمد خان زادہ، نصر پور

> ہاں ضرور، مگر کہانیاں عمدہ ہوں۔

□ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس میں سبق آموز اور مسکراتی کہانیاں ہوتی ہیں۔ وہاں دینی اور دنیاوی معلومات کا بھی ایک سمندر ہوتا ہے۔

راحیلہ غفار، کراچی

□ اس دفعہ سب سے اچھا جاگو جگاؤ اور رسول پاکؐ کا وقار اور سنجیدگی بہت ہی اچھے تھے۔

امجد پرویز، گلیانہ گجرات

□ مجھے نونہال بہت پسند آیا، کیوں کہ اس سے مجھ کو بہت معلومات حاصل ہوئیں۔ سردار ریاض احمد گوپانگ بلوچ جام پور

□ میں ہمزاد بن گیا بے کار اور بور کہانی تھی۔ تخت کا وارث کون بہت پسند آئی۔ تھملینا اچھی کہانی تھی اس کے لکھنے والے "ہنس کرسچین اینڈرسن" کہاں کے رہنے والے ہیں؟ زلزلوں کے واقعی بڑے عجیب و غریب فائدے معلوم ہوئے۔ ہر شمارے میں کم از کم ایک جنوں پریوں کی کہانی ضرور شامل کریں تاکہ نونہالوں کی کثیر تعداد کی خواہش پوری ہو سکے۔

مقصود علی انصاری، ٹنڈو جان محمد

> ہنس کرسچین اینڈرسن ڈنمارک کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے، ۱۸۷۵ء میں انتقال کیا۔ ان کے والد ایک موچی تھے، لیکن انھوں نے اتنی عمدہ کہانیاں لکھیں اور جمع کیں کہ خوب شہرت حاصل ہوئی۔ سچ ہے شہرت محنت سے حاصل ہوتی ہے۔

□ کہانیوں میں تھملینا اور تخت کا وارث کون پسند آئیں۔ نونہال ادیب بھی بہت اچھا تھا۔ ریحانہ سجاد انصاری، لاڑکانہ

□ مجھے جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اور جناب مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات اور کہانیوں میں ہمارا پہلا شکار اور تخت کا وارث کون بہت پسند آئیں۔ محمد مرسلین قریشی، کراچی

□ کہانیاں سب اچھی تھیں۔ نظموں میں نظم آزادی واقعی آزادی تھی۔ میں جناب شفیع دہلوی کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

محمد ذاکر قریشی، ٹنڈو الہ یار

□ مجھے سب رسالوں میں سب سے سرِ فہرست نونہال لگتا ہے۔ کیا آپ ہمدرد نونہال کو پندرہ روزہ نہیں نکال سکتے؟

عقیل اختر، کراچی

> ابھی تو ماہانہ ہی چلنے دو۔

□ مئی کا شمارہ پسند آیا۔ کاشف انوار، کراچی

□ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح ہمارے دلوں میں علم اور اسلام کی کبھی نہ بجھنے والی شمع روشن کر گیا۔

ریحانہ اصغر علی، لاڑکانہ

□ تمام کہانیاں بہت دل چسپ ہوتی ہیں۔ عظمیٰ شکور، اسلام آباد

□ نونہال اتنا اچھا رسالہ ہے کہ جی چاہتا ہے کہ بار بار پڑھوں۔ نور محمد ارباب اکبری ٹھوڑو

□ بزم نونہال کا نام بدل کر آپ نے اچھا نہیں کیا۔ موجودہ عنوان بالکل مناسب نہیں۔ اب ہم کوئی ننھے تھوڑا ہی ہیں۔ ہم تو بڑے ہو گئے ہیں اس لیے اس کا نام بزم نونہال ہی ٹھیک ہے۔

محمد اسحاق خان، ڈگری

> اصل میں "بزم ہمدرد نونہال" شروع ہونے کے بعد دو بزمیں ہو گئی تھیں۔ اب نونہال کوئی نیا نام بتائیں۔

□ ٹائٹل میں ایک غلطی یہ تھی کہ بچے کی شہادت کی انگلی کچھ زیادہ لمبی تھی اور باقی انگلیاں چھوٹی تھیں۔ فراز اطہر، کراچی

□ اس دفعہ لطیفے کوئی خاص نہ تھے۔ بہرحال نونہال ایک عمدہ اور بہترین رسالہ ہے۔ آر۔ یو خان، سکھر

□ جناب حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ اور مسعود احمد برکاتی صاحب کی پہلی بات پسند آئی۔ روح اللہ، فیصل آباد

□ خیال کے پھول ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اچھے تھے۔ جناب عبدالواحد سندھی کا مضمون حضور پاکؐ کا وقار اور سنجیدگی بہت اچھا مضمون تھا۔ ہمدرد انسائکلو پیڈیا اور طب کی روشنی میں پوچھے گئے سوالات دل چسپ تھے۔ جناب علی ناصر زیدی کا مضمون زلزلوں کے فائدے اور اخبار نونہال نے ہمیں بہت سی نئی معلومات دیں۔ ہم نے نونہال کے لیے بہت سی چیزیں بھیجیں مگر اب تک ایک بھی شائع نہیں ہوئی۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

سید علی حیدر جعفری، لاڑکانہ

> مایوس ہونے کے بجائے محنت سے اور زیادہ اچھی اچھی چیزیں لکھو۔

□ مئی میں پہلی بات (مسعود احمد برکاتی) جناب عبدالواحد سندھی کا مضمون رسول پاکؐ کا وقار اور جناب علی اسد کی کہانی میں ہمزاد بن گیا بہت ہی قابلِ تعریف تھے۔ الطاف حسین، عدنان جہانگیر شیخ، غزالہ منیر شیخ، شبانہ منیر شیخ، شبنم کلام، لاہور

□ کہانیاں معیاری تھیں لطیفے بھی اچھے تھے۔ شازیہ منظور، لاہور

□ تحفے سب سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ میں سب سے زیادہ تحفے سے لطف اندوز ہوتی ہوں۔ شگفتہ افشاں، جہلم

□ خاص کر کہانیاں تھیلینا اور تخت کا وارث کون اور لطیفے بہت چٹ پٹے تھے۔ محمد جمیل، گوجر خاں

□ میں یہ رسالہ چھے سال سے پڑھ رہا ہوں۔ ابھی تک میں نے کبھی نونہال مصور کے علاوہ حیدر آباد کا نام نہیں دیکھا اس لیے آپ سے التماس ہے کہ آپ حیدر آباد کو بھی نونہال میں ذرا سی جگہ دیں۔

آصف حسین شیخ، حیدر آباد

حیدر آباد کے نونہالو! اس الزام کی تردید تم خود ہی کر سکتے ہو۔

□ نونہال میں جو کارٹون (تصویریں) کہانیوں کے ساتھ شائع ہوتے ہیں بہتر یہ ہے کہ نہ ہی شائع کریں۔ ننھے قارئین لکھتے ہیں میں پچانوے فی صد تعریفی ڈیڑھ فی صد مشورے آدھا فی صد شکایتیں اور ایک فی صد تجویزیں شائع ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ پہلے بھی میں نے آپ کو خط لکھا تھا کہ آپ کوئٹہ اور پشاور والوں کو اہمیت نہیں دیتے جب کہ آپ نے جواب دیا تھا کہ ہماری نظر میں پاکستان کا ہر بچہ چاہے وہ شہر میں رہتا ہو یا دیہات میں برابر ہے تو کوئٹہ شہر ہی اتنا بدنصیب کیوں تھا کہ یہاں بزم ہمدرد نونہال کا کوئی مشاعرہ ۲۱۔مارچ کو نہیں ہوا۔ لئیق الرحمٰن، کوئٹہ

میاں! مشاعرہ صرف چار شہروں میں ہو سکا۔ کوئٹہ کے علاوہ کئی اور بڑے بڑے شہر بھی تو رہ گئے۔

□ مجھے جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت پسند ہے۔ یہ ایک سبق آموز تحریر ہے۔ افشاں تبسم، کراچی

□ اس سے پہلے بھی خط لکھ چکا ہوں مگر آپ شاید راول پنڈی والوں کے خط شائع نہیں کرتے۔

ایم۔اے عرفان اختر، راول پنڈی

راول پنڈی کے نمائندہ صاحب! پچھلا خط بھی ایسا ہی لکھا ہو گا۔

□ جاگو جگاؤ، رسول پاکؐ کا دربار، میں بہزاد بن گیا، تخت کا وارث کون، ایک خواب جو سچا ہو گیا اور مشاعرہ ہمدرد نونہال بہت ہی اچھے مضامین تھے۔ نظموں میں رمضان، آزادی اور شہر پشاور بھی اچھی اور خوب صورت نظمیں تھیں۔ لطائف ملے جلے تھے۔

محمد اشرف ناز، شیخو پورہ

□ جاگو جگاؤ میں جو جملہ مجھے پسند آیا وہ آخری جملہ تھا جو کچھ یوں تھا: ہمیں آزادی جیسی نعمت کی قدر کرنی چاہیے اور یوم آزادی ۲۷۔ رمضان ہی کو منانا چاہیے۔ محمد راشد قریشی، ملیر کراچی

□ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ رسول پاکؐ کا دربار اور سنجیدگی اچھا مضمون تھا۔ نوید کلیم، کراچی

□ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں نے سب سے پہلے جس رسالے کا مطالعہ کیا وہ نونہال ہے۔ اسما تابندہ، لاہور

□ نونہال کی آمد کا ٹیلے ویژن میں دکھاتے وقت اس کا ٹائیٹل بھی دکھا دیا کریں یا پھر کچھ نونہالوں کو مارکیٹ سے نونہال خریدتے وقت دکھایا کریں اس طرح وہ بچے جو ابھی تک نونہال کے مطالعے سے محروم ہیں ان کی دل چسپی بھی بڑھ جائے گی۔ روبینہ شاہین، کراچی

□ زلزلے کے بارے میں مضمون اچھا تھا مگر ہمدرد نونہال میں ایک چیز کی شدت سے کمی محسوس ہوتی چلی آ رہی ہے اور وہ ہے مزاحیہ کہانی۔ عمران اعظم

□ مئی کا شمارہ پہلے تمام رسالوں کی طرح بہت اچھا تھا۔

سید احمد جعفر، کراچی

□ میں نے نونہال میں کئی خط لکھے مگر ایک خط شائع ہوا۔ آخر ہم سے آپ کی کون سی دشمنی ہے۔ ہم سانگھڑ میں رہتے ہیں۔ کراچی والے تو آپ کے رشتے دار ہیں۔ ان کے خط تو سب سے پہلے شائع ہوتے ہیں۔

پرنس ہاشم علی غوری، سانگھڑ

□ خاص طور سے منتخب کہانیاں، جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، بزم ہمدرد نونہال کا احوال، انسائکلو پیڈیا، تحفے، ایکس ریز کا کمال ہماری معلومات میں اضافہ کر گئیں۔ عنبرین نور محمد، کراچی

□ مئی کے شمارے میں لاہور، کراچی، پشاور اور پنڈی کے مشاعروں کی تفصیلات تھیں۔ چھوٹے شہروں میں بھی یہ تقاریب منعقد ہونی چاہئیں۔ نونہال میں مشہور ادیبوں اور مصنفین کی تصاویر بھی شائع کریں۔ ایک شمارے میں صرف ایک سائنسی کہانی ہوتی ہے اور باقی جنوں بھوتوں کی کہانیاں۔ سائنسی معلومات بڑھاتے ہیں۔ محمد انوار الحق، ملتان

□ سب نونہال سلسلے وار کہانی کی کمی محسوس کر رہے ہیں۔

سید عدنان علی، کراچی

□ یہ اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ہے۔ اظہر اقبال، وہاڑی

□ نونہال ہم کافی عرصے سے پڑھ رہے ہیں اور یہ ہمیں اتنا اچھا لگتا ہے کہ بس بیان سے باہر ہے۔ سیدہ امیر فاطمہ رضوی، محبوب حسین، شبانہ، نظیر محمد، کراچی

□ نونہال ہر لحاظ سے ایک مکمل رسالہ ہے۔ بس جلد ہی ایک سلسلے وار کہانی شروع کر دیجیے تو مزہ آجائے گا۔ احمد بلال، لاہور

□ میں پچھلے دو سال سے ہمدرد نونہال پڑھ رہا ہوں اور اس عرصے میں مجھے جو معلومات اس رسالے سے حاصل ہوئی ہیں کسی اور رسالے یا کوئی اور کتاب وغیرہ سے اتنی معلومات حاصل نہیں ہوئی ہیں۔

انوار علی خان یوسف زئی، کراچی

□ نونہال ایک مہکتے ہوئے اور رنگا رنگ گل دستے کی مانند ہے جو اپنی بھینی بھینی مہک سے ہر ایک اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے۔

نوشین سعید، کراچی

□ میرا مشورہ ہے کہ نونہال میں جاسوسی کہانیاں لکھا کریں۔

سرور عرف سابر، چونیاں سرپا اوتاڑ

□ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ بہت خوب ہے۔ جناب مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات واقعی پہلی بات ہے۔ طب کی روشنی تو اپنا جواب آپ رکھتی ہے۔ عدنان سعید خاں، کراچی

□ خاص کر مشاعرہ ہمدرد نونہال تو پڑھ کر جی خوش ہو گیا۔ ایسا لگا جیسے ہم بھی اس مشاعرے میں شامل تھے۔

غزالہ احمد، حیدر آباد

□ سرورق دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ کہانیوں میں تخت کا وارث کون پسند آئی۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔

خواجہ عبید الرحمن، خان پور

□ جاگو جگاؤ، خیال کے پھول اور تحفے بے حد معیاری اور دل چسپ سلسلے ہیں۔ کہانیوں میں، میں ہمزاد بن گیا، تخت کا وارث کون اور معصوم جذبے بہترین اور منفرد کہانیاں تھیں۔ جب کہ شاکر عثمانی کی کہانی ہمارا پہلا شکار بالکل بور لگی۔ معلوماتی مضامین بھی بے حد پسند آئے۔

محمد اکرم زرگر، نوشہرہ

□ اس مرتبہ رسول پاک ؐ کا وقار اور سنجیدگی، میں ہمزاد بن گیا، تخت کا وارث کون اور لطیفے بہت پسند آئے۔

محمد یوسف ظفر، ڈیرہ غازی خاں

□ جاسوسی کہانیاں نہیں لکھی جائیں اور کارٹون ختم کر دیے جائیں۔

ضیاء اللہ خاں، کراچی

□ مئی کا تازہ شمارہ بہت پسند آیا خاص طور پر سرورق کی تصویر تو دل کی گہرائیوں میں اُتر گئی۔ اس تصویر کو دیکھ کر روحانی خوشی ہوئی آپ سرورق پر ایسی ہی تصویر دیا کریں۔ محمد عمر فاروقی، بہاول نگر

□ ہم آپ سے سخت ناراض ہیں، کیوں کہ آپ ہماری بھیجی ہوئی تحریر شائع نہیں کرتے۔ آپ ہمارا حوصلہ بڑھانے کے بجائے ہمارا دل دُکھا دیتے ہیں۔ ایم اکبر خان زادہ، ٹنڈو الہ یار

> ہمدرد نونہال میں نونہالوں ہی کی تحریریں چھپتی ہیں۔

□ آپ لکھتے ہیں کہ بغیر پتے کے تحریر (چاہے کتنی ہی اچھی تحریر ہو) شائع نہیں کی جاتے گی، لیکن میں نے دیکھا ہے کہ کسی تحریر پر نونہال کا نام تو لکھا ہوتا ہے، مگر شہر یا جگہ کا نام نہیں لکھا ہوتا مگر لکھا ہوتا ہے "نامعلوم"، جب اس نونہال نے پتا ہی نہیں لکھا تو اس کی تحریر کیسے شائع ہوئی۔ عبد الرؤف حاجی عبد اللہ بلوچ، کلری

> خوب پکڑا میاں عبد الرؤف! اچھا اب ہم اپنی دھمکی پر واقعی عمل کریں گے۔

□ جاگو جگاؤ اور پہلی بات نے بہت متاثر کیا۔ مشاعرہ ہمدرد نونہال بہت پسند آیا۔ ثمر بانو اور بابر علی بخاری کی نظمیں بہت اچھی تھیں۔ تصویروں کا معیار بالکل گر گیا ہے۔ پہلے تصویریں اچھی ہوا کرتی تھیں، اب تصویروں کی جگہ صرف کارٹون ہوتے ہیں۔

شاہانہ تحسین، کراچی

□ سرورق دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی۔ شروع سے آخر تک بہت پسند آیا۔ سید اظہر حیدر، کراچی

□ خاص طور سے لطیفے اور خیال کے پھول بہت اچھے لگے۔

سلمٰی سراج، کراچی

□ اس سے قبل اتنا دل چسپ اور معیاری رسالہ کبھی پڑھا ہو یا نظر سے گزرا ہو۔ نونہال نے واقعی میرے اور میرے دوستوں کے دل جیت لیے ہیں۔ شازیہ سعید مخدوم قریشی، شیخوپورہ مظفر گڑھ

□ سب سے اچھی کہانی تخت کا وارث کون تھی۔ کہانی تھبلیتا بھی اچھی تھی۔

رب نواز ظفر، ڈیرہ مراد جمالی

□ تمام کہانیاں اور نظمیں عمدہ تھیں۔ خاص طور پر تخت کا وارث کون (معراج) اور تھبلیتا بہت پسند آئیں۔

اعجاز احمد سومرو، ٹنڈو محمد خاں

□ نونہال ایک معیاری رسالہ ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

سید ذیشان ظہیر، کراچی

□ مئی کا نونہال اپنی مثال آپ تھا۔ کہانی تخت کا وارث شان دار تھی۔ سرورق کا جواب نہیں تھا۔

مسعود احمد، ملیر کالونی

□ جناب عبدالواحد سندھی کا لکھا ہوا مضمون رسول پاک ﷺ کا وقار اپنی مثال آپ تھا۔ میں ہمزاد بن گیا (علی اسد) کہانی بہت پسند آئی۔ نظموں میں آزادی اور رمضان پسند آئیں۔

سلیمان احمد، کوئٹہ

□ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ خاص طور سے علی اسد کی کہانی "میں ہمزاد بن گیا" تو بہت اچھی کہانی تھی۔ اتنی اچھی کہانی لکھنے پر انھیں میری طرف سے مبارک باد دیجیے گا۔ سب نظمیں بھی اچھی تھیں۔ فیض لودھیانوی کی نظم "رمضان" سب سے اچھی تھی۔ لطیفے بھی سب اچھے تھے۔

شائستہ وجاہت، کراچی

□ مشاعرہ ہمدرد نونہال اتنا پسند آیا کہ دل میں دوستی اور حب الوطن کا جذبہ جاگ اُٹھا۔ میں نے یہ تین مرتبہ پڑھا اور گھر والوں نے بھی پڑھا۔ سب نے تعریف کی۔ لطیفے زیادہ مزے دار نہیں تھے۔ لطیفوں کا معیار گرتا جارہا ہے۔

حبیب اللہ میمن، ٹنڈو جام

□ میں ادارہ ہمدرد کا اور خصوصاً حکیم محمد سعید کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ جنھوں نے مجھے پچھلے ماہ آوازِ اخلاق کے دو مفید اور معلومات افزا شماروں سے نوازا۔ ان شماروں میں وہ شمارہ جس میں "آؤ امن کے گیت گائیں" کے عنوان سے نونہالانِ وطن کے جو مضامین شائع ہوئے وہ بہت پسند آئے اور کافی معلومات حاصل ہوئیں میں نے اور ابو نے یہ شمارے مزے لے لے کر پڑھے۔ میں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ خدا کے لیے پہلی بات کا ناغہ مت کیا کیجیے۔

فوزیہ تبسم اعوان، بہاول پور

□ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے کیا وجہ ہے میں جو بھی تحریر بھیجوں آپ شائع نہیں کرتے؟

ایم۔ عتیق الرحمن، کراچی

□ تصویروں کا معیار اس قدر گر گیا ہے کہ اگر میں نے اس بارے میں کچھ لکھا تو آپ کے مصور حضرات ممکن ہے ناراض ہو جائیں۔ اگر کارٹون نہیں ہوتے تو ایسی تصویریں ہوتی ہیں جو کافی دیر غور کرنے کے بعد سمجھ میں آتی ہیں۔

سید اظفر مہدی، سکھر

□ مئی کے شمارے میں ابراہیم بن مقصود مہدی نے رسالے کے متعلق کچھ تجویزیں لکھی تھیں۔ ان کے متعلق کئی نونہالوں نے تفصیل سے اپنی رائے ظاہر کی ہے، جن میں کراچی سے نگہت ذاکر، جاوید حسن خاں اور محمد نجم الحق، لاہور سے محمد قیصر فہیم، حافظ ضیاء الحق قمر، اسلام آباد سے شازیہ چوہدری، فیصل آباد سے عامر سعید، حیدر آباد سے رحمہ مجید اور نامعلوم مقام سے سیما عروج صدیقی شامل ہیں۔ انھوں نے بڑی سمجھ اور اعتدال سے ان تجویزوں کے بارے میں لکھا اور اکثریت نے ہمدرد نونہال کے موجودہ انداز کو پسند کیا ہے نونہال مصور اور معلومات عامہ میں صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں ختم کرنے کی سب نے مخالفت کی ہے۔ افسوس کہ ہم جگہ کی کمی کی وجہ سے ان کے خط شائع نہیں کر سکے اور ان نونہالوں نے یہ خط شائع کرانے کے لیے لکھے بھی نہیں ہیں بلکہ ہم تک اپنے خیالات پہنچانے کے لیے لکھے ہیں۔ ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

جگہ کی کمی کے باعث ان نونہالوں کے صرف نام دیے جا رہے ہیں۔

کراچی:۔ عبداللطیف حاجی موسیٰ، فاروق حمید، روبینہ فرید، راشد علی، محمد حسیب الحسن، گفتار احمد، جمیل الدین، تنویر عبدالعزیز، محمد یٰسین مالک، سدرا حسین مفتی، کاشف خان، روزینہ رشید، مثمل علی، جاوید اقبال، حمزہ، اسماء رانی بدر، نواب الدین، ثمر نورین، شگفتہ پروین، لوجو نگیزی، فاطمہ صدف، عائشہ صباحت، امین محمود، یاسمین شیخ، اسد اللہ خاں۔

واہ کینٹ:۔ روبینہ صدیق، ذوالفقار حسن خاں۔ لاڑکانہ:۔ بابر حسین قاضی، اشفاق احمد عباسی۔ لاہور:۔ احمد مسعود، عامر شمیم، یاسر شمیم، علی حسین۔ حیدر آباد:۔ اسحاق احمد عباسی، محمد یار۔ ٹنڈو آدم:۔ جہاں زیب جونیجو۔ کوہاٹ شہر:۔ محمد سکندر خان شہید۔ اکڑی ہتھورو:۔ فقیر محمد۔ ملتان:۔ سیدہ شبانہ پروین۔ حیدر آباد:۔ منظر زبیری، محمد اسلم میمن، تسنیم عالم منظر قریشی۔ ننکانہ صاحب:۔ ملک ایم یوسف۔ بہاول پور:۔ محمد امجد محسن۔ منگلا:۔ زوبارہ منہاس۔

سدا بہار قصّے

باپ اور بیٹے کا فرق

عباسی خُلَفا میں چونتیسویں خلیفے کا نام الناصرالدین اللہ تھا۔ وہ بہت لالچی شخص تھا۔ اس نے بہت سے لوگوں کا مال ضبط کر کے خزانے میں ڈال رکھا تھا۔ جب اس نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہا تو بیٹے نے ولی عہد بننے سے انکار کر دیا، کیوں کہ خزانے میں غصب شدہ اور ناجائز طور پر حاصل کیا ہوا رُپیہ جمع تھا۔ خلیفہ نے بیٹے کو قید کر دیا۔ وہ اتنا سنگ دل تھا کہ جیتے جی اس نے اسے رہا نہ کیا۔ خلیفہ ناصر کی موت کے بعد بیٹے کی رہائی ہوئی اور وہ ۶۲۲ھ/۱۲۲۵ء میں الظاہر بامر اللہ کے نام سے خلافت نشین ہوا۔ اس نے خلیفہ بنتے ہی تمام غصب کیا ہوا رُپیہ واپس کرایا۔ خلافِ شرع ٹیکس اُٹھا دیے۔ جاسوسی کا محکمہ اُڑا دیا۔ چوں کہ ایک حق بات کے لیے اس کی ساری عمر قید میں گزری تھی، اس لیے وہ کُل ساڑھے نو مہینے خلیفہ رہ کر فوت ہوا۔ اس کے پندرہ بیس برس بعد خلافتِ عباسیہ کا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔

سپہ سالار کو دُرّے لگائے گئے

علی نوشتگین سلطان محمود کی فوج میں ۵۰ ہزار سپاہیوں کا سالار تھا۔ گویا اس کی حیثیت آج کل کے کور کمانڈر کی سی تھی۔ ایک دن وہ نشے کی حالت میں جھومتا جھامتا اپنی فوج میں چلا آیا۔ ان دنوں ایسے کاموں کی روک ٹوک کے لیے مُحتَسِب مقرر تھے۔ علی نوشتگین نے محتسب کی کوئی پروا نہ کی۔ جب محتسب کو علم ہوا تو اس نے حکم دیا کہ اُسے گھوڑے سے اُتار کر اُس کے سامنے لایا جائے اور پھر برسرِ عام مُحتسب نے اُسے دُرّے لگائے۔ سپاہی کھڑے دیکھتے رہے۔ سپہ سالار کو سخت ندامت ہوئی۔ جب سلطان محمود کو خبر ملی تو اس نے نوشتگین کی پیٹھ کھول کر دیکھی اور کہا خبردار آیندہ ایسا نہ کرنا۔

معلومات عامّہ ۲۱۴ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ معلومات عامّہ کے جوابات اور تصویریں بھیجنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویر کیوں شائع نہیں کی گئی، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے، جن کی عمر اچھی ہوگئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاءاللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامّل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بڑا انعام۔

۱۔ خلفائے راشدین میں سے حضرت علیؓ کا لقب اسد اللہ تھا۔

۲۔ ایک میٹرک ٹن ایک ہزار کیلو گرام کا ہوتا ہے۔

۳۔ دنیا کا سب سے اونچا درخت کیلی فورنیا (امریکا) میں ہے۔

۴۔ الجزائر کے سکّے کو دینار کہتے ہیں۔

۵۔ "آوازِ دوست" کے مصنف جناب مختار مسعود کی دوسری کتاب کا نام "سفر نصیب" ہے۔

۶۔ ترکی ۱۹۲۳ء میں جمہوریہ بنا۔

۷۔ ابنِ خلدون کا اصل نام عبدالرحمٰن ابنِ خلدون ہے۔

۸۔ ابادان نامی شہر ایران میں ہے۔

۹۔ درّہ خیبر، جمرود سے شروع ہو کر طورخم (پاک افغانستان سرحد) پر ختم ہوتا ہے۔

۱۰۔ بادشاہی مسجد لاہور شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں تعمیر ہوئی۔

۱۱۔ پاکستان کی قومی ہاکی ٹیم نے ۱۹۶۰ء کے روم اولمپکس میں پہلی بار طلائی تمغا حاصل کیا تھا۔

۱۲۔ وائرلیس کے موجد کا نام مارکونی ہے۔

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

	مجیب ظفر انوار		صغیر احمد صدیقی
عمران احمد نعمانی	آنسہ بشیر اظفر انوار	توقیر محمد صدیقی	شکیل احمد

Adarts-HTP-2/85

جنید احمد گاد
جمشید احمد گاد

شیخوپورہ
طارق احمد خان شیروانی

لاہور
فاطمہ سجاد

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

قدیر محمد صدیقی، خیرپور میرس

نوید ظفر انوار، کراچی

فیاض احمد سومرو، خیرپور میرس

فرخ ایوب، ایبٹ آباد

ستارہ جبیں، کھوڑہ

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی
ملک مظہر احمد
ایم ظہیر عباس
ایم رحمت علی
ندیم ادریس
ایم حمیرا ارم
راحت گلفام
شہناز فاطمہ نقوی
نجمہ عبدالمجید
عائشہ حمزہ
محمد سعید حمزہ
حمزہ ابراہیم
محمد اظہر ایوب
شاہد اقبال شاہد
محمد اشرف ایوب
محمد اعجاز الحق
محمد ذیشان ایوب
محمد ظفر ایوب
محمد سہیل ایوب
نفسہ حمزہ
عتیق حسن رحمانی
حبیب حسن رحمانی
اشہر سعید عالم عثمانی
سید ندیم یوسف

سانگھڑ
عاجز عبدالرحمٰن رند
محمد امین سیف الملوک

اوکاڑہ
راؤ عمر دراز
محمد سمیع اللہ اعوان

کھلابٹ ٹاؤن شپ
محمد طارق
قاضی مظہر
طاہر وزیر
عبدالمالک

اسلام آباد
شمیلہ نسرین

روہڑی
اظہر حسین

فیصل آباد
سمیع اللہ
احسان احمد سومرو، خیرپور میرس
محمد طاہر آرائیں، سنجھورو

سرگودھا
ٹیپو سلطان غازی صلاح الدین
ظہور مہدی، خیرپور میرس
آسیہ صدف میمن، لاڑکانہ
خلیل احمد سومرو، خیرپور میرس
سہیل اختر خان، لطیف آباد
پرنس الطاف اللہ شیخ، خیرپور میرس
محمد سعید رشید خان، مقام نامعلوم
نعیم اللہ سومرو، خیرپور میرس

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

کاشف جاوید بٹ، کراچی

محمد عظیم صدیقی، کراچی

شیر زمان، کراچی

ایم عتیق الرحمن، کراچی

منیر توحید، شیخوپورہ

ندیم احمد غوری، لوہڑی

عقیل اختر، کراچی

عبدالباری، کراچی

سید وزیر حسن شاہ، خیرپور میرس

فرحان رفیق سبحانی، کراچی

نعیم حسین، شکارپور

ضیاء الحق قمر، لاہور

سید کبیر شاہ، پشین

عامر جاوید بٹ، کراچی

سید حمید اللہ، کراچی

عبدالرزاق ندیم، کراچی

مرزا غفار بیگ، کراچی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

احسان احمد خان، شیخوپورہ   راحیلہ اقبال نیازی، میانوالی   محمد عمران ظہور، ساہیوال   ازہر محمود عالم، لاہور

کراچی

شعیب موسیٰ
معروف علی احمد
ماہر علی احمد
جاوید اقبال معز
محمد مرسلین قریشی
عمران اعظم
خواجہ مدین احمد
ایم سہیل عباس
ملک سعید طارق
ملک ظفر احمد
ساجد شمیم
رخسانہ فضل الدین
ساجدہ شمع نور
کہکشاں ترنم
افشاں تبسم
عابدہ صبا نور
رضوان جلیس
ریحان جمیل
نوید اقبال
فرحان فرخ
عدنان غیاث
اسد حسین انصاری
غلام محمد
ارجمند کریم
محمد نعیم الحسن
افضال احمد
عظمیٰ سعید
محمد جاوید

فیصل آباد

روح اللہ
محمد جاوید اقبال ناز
نواب شاہ
محمد عدنان شیخ
انیقہ زرین شیخ
محمد عاطف شیخ
عائشہ جاوید، بہاول پور

احمد پور شرقیہ

محمد لطیف صابری
محمد الیاس سلطان
آصف محمود ملک، بحرین
ساجد خالد مسعود، دمام سعودی عرب

راول پنڈی

سید محمد رضا شاہ
محمد طیب
محمد طلحہ
محمد عثمان
محمد زبیر
خورشید احمد لوبی، کھلابٹ ٹاؤن شپ

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

سعید فیض احمد فاروقی، کراچی | محمد یاسین مالک، کراچی | ارجمند کریم، کراچی | شوکت محمود، کوہاٹ چھاؤنی | ایم اشرف چوہان، کراچی

محمد اختر، کراچی | طارق محمود، لاہور | نعمان ادریس، کراچی | محمد ریاض الدین، کراچی | تنویر عبدالعزیز، کراچی

عبدالحمید، لاہور | انصار احمد، کراچی | ظفر حسین صدیقی، کراچی | ندیم رشید، کراچی | محمد جاوید، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

حاجی وقار احمد
حافظ محمد طیب
اے غفار انصاری
سید محمد احمد
منصور اقبال
محمد فراز خان
سید مبشر احمد قادری
ملک مسرور احمد
محمد نجم الحق
محمد اکرم رفیق
رئیس احمد قدیر
سہیل شمیم
مزمل امیر علی
علیم سعید خان
سعید احمد
سید اطہر حیدر
افتخار احمد
پرنس فہیم الرحمٰن
محمد عاصف عثمان
محمد شکیل مغل
عائشہ رشید
انصار عالم قدیر
شبانہ پروین
سید وجیہہ الحسن کاظمی
فیاض خیر الانام

کھلابٹ ٹاؤن شپ

زبیر خان
افتخار حسین

ہری پور ہزارہ

محمد مبشر اقبال
محمد فرخ رشید

تربیلا ٹاؤن شپ

وقار احمد تربیلوی
پرنس ہاشم غوری، سانگھڑ
حسین الدین منصوری، سانگھڑ

پشاور

محمد اجمل حسین

لاڑکانہ

فرزانہ میمن

ٹنڈوالہ یار

رینا جبار
محمد انوار الحق، ملتان
محمد عاصف شکور میمن، لطیف آباد
سید ابرار حسین، راول پنڈی
عدنان ظفر، اسلام آباد
شاکر علی منصوری، سانگھڑ

اکثر نونہال جو خبریں بھیجتے ہیں، اُن کے ساتھ اخبار یا رسالے کا تراشہ نہیں بھیجتے نہ اخبار، رسالے یا کتاب کا نام لکھتے ہیں، اس لیے اُن کی خبریں اچھی ہونے کے باوجود شائع نہیں کی جاسکتیں۔ نونہالوں سے درخواست ہے کہ وہ ہر خبر کا اوّل تو کوشش کریں کہ تراشہ ساتھ لگائیں جس پر اخبار وغیرہ کا نام بھی لکھا ہو۔ اگر تراشہ نہ بھیج سکیں تو کتاب، اخبار یا رسالے کا نام اور تاریخ ضرور لکھا کریں۔

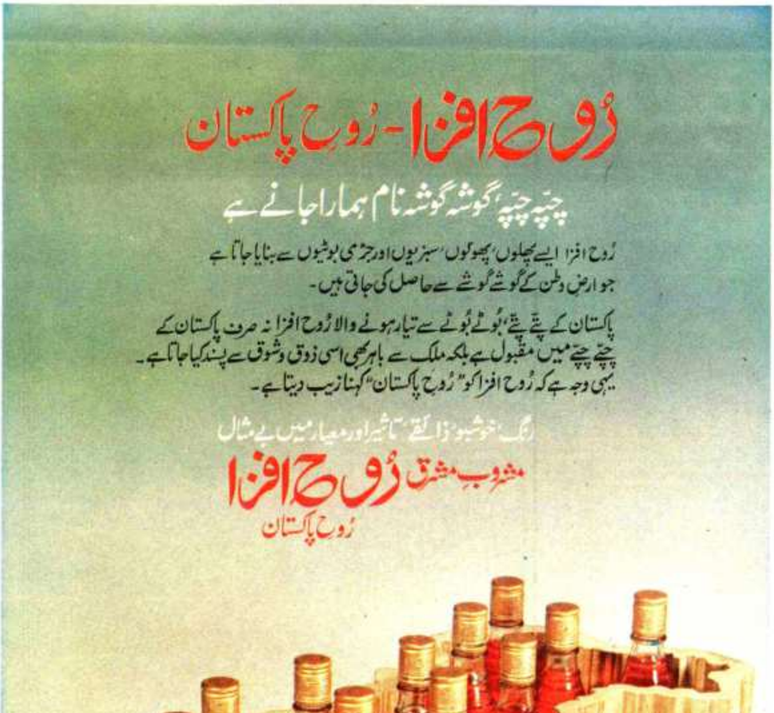
رُوح افزا - رُوحِ پاکستان
چپہ چپہ، گوشہ گوشہ نام ہمارا جانے ہے
رُوح افزا ایسے پھلوں، پھولوں، سبزیوں اور جڑی بوٹیوں سے بنایا جاتا ہے
جو ارضِ وطن کے گوشے گوشے سے حاصل کی جاتی ہیں۔
پاکستان کے پتے پتے، بُوٹے بُوٹے سے تیار ہونے والا رُوح افزا نہ صرف پاکستان کے
چپے چپے میں مقبول ہے بلکہ ملک سے باہر بھی اسی ذوق وشوق سے پسند کیا جاتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ رُوح افزا کو "رُوحِ پاکستان" کہنا زیب دیتا ہے۔
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں بے مثال
مشروبِ مشرق رُوح افزا
رُوحِ پاکستان
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

جولائی ۱۹۸۶ء

ہمدرد نونہال

رجسٹرڈ ایم نمبر ۶۹

manhattan PAKISTAN